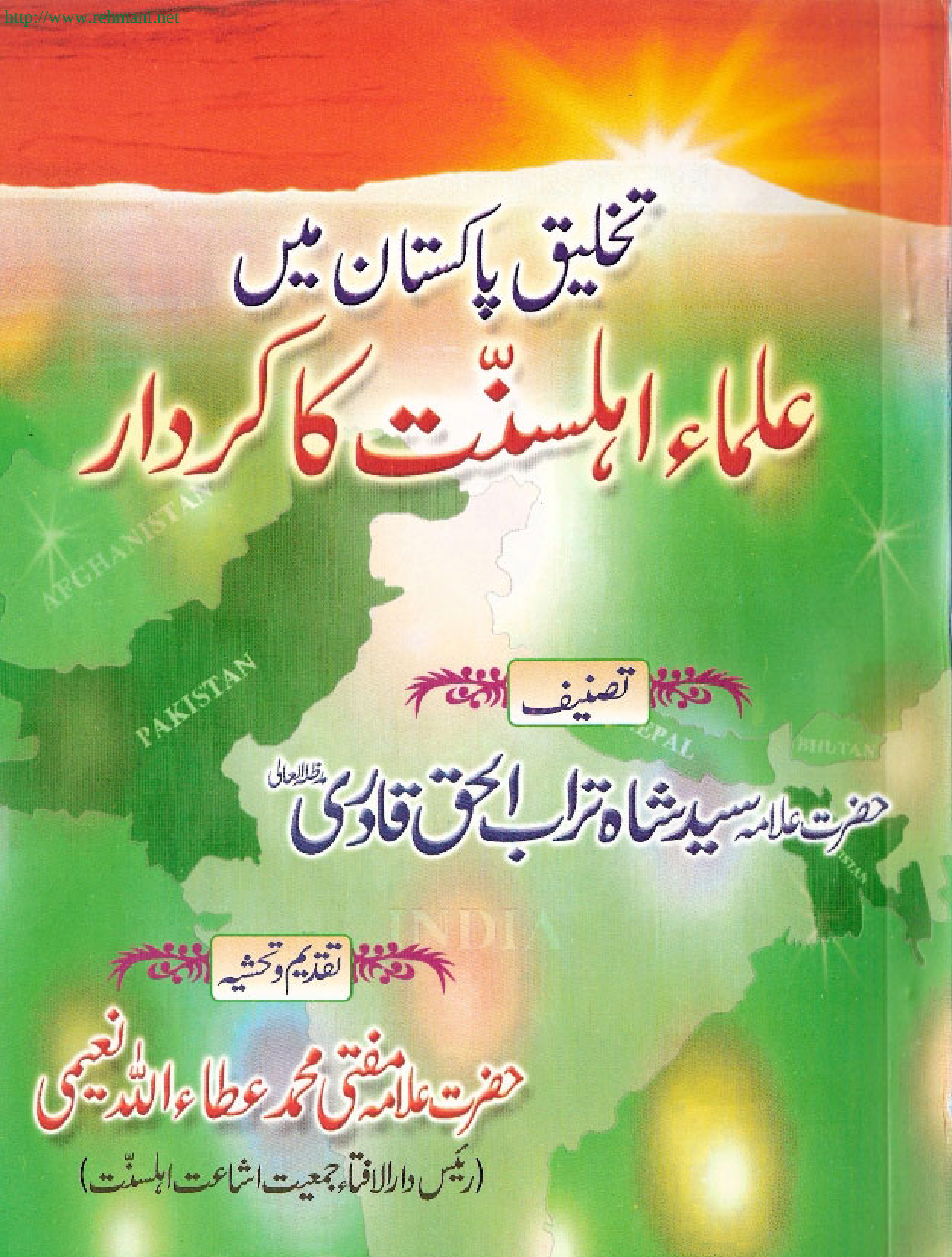
AFGHANISTAN
PAKISTAN
NEPAL
BHUTAN
INDIA

تخلیق پاکستان میں
علماء اہلسنّت کا کردار

تصنیف

حضرت علامہ سید شاہ تراب الحق قادری مدظلہ العالی

تقدیم وتحشیہ

حضرت علامہ مفتی محمد عطاء اللہ نعیمی

(رئیس دارالافتاء جمعیت اشاعت اہلسنّت)

تخلیقِ پاکستان میں علمائے اہلسنّت کا کردار

”13 اگست 1991ء بمبئی بازار، کھارادر، کراچی میں ایک جلسۂ عام سے حضرت علامہ سید شاہ تراب الحق قادری نے تحریک پاکستان اور علمائے اہلسنّت کے کردار پر بھرپور خطاب فرمایا۔ جسے کیسٹ سے سُن کر حافظ عبدالرحمٰن قادری نے نقل کیا۔ پاکستان کے ساٹھویں یوم آزادی کے موقع پر قارئین کی معلومات کے لئے پیش خدمت ہے“

نحمدہ ونصلّی علیٰ رسولہ الکریم ...... بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محترم حضرات! سب سے پہلے تو میں عرض کروں گا کہ پاکستان کیوں بنا؟ اس کی غرض وغایت کیا تھی؟ پاکستان بنانے کا شوق ہمیں کیوں ہوا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ہم یہ چاہتے تھے کہ ایسی آزاد مملکت بنے کہ جس میں مسلمان اپنے عقیدے کے مطابق حکومت بنائیں۔ سیاسی نظام تشکیل دیں، اسلامی حکومت ہو، ہر شخص کو انصاف ملے، ہر شخص کے ساتھ عدل ہو، نمازوں کے پابند ہوں، ہماری نسلیں انگریزوں کی تباہ کاریوں سے بچ جائیں۔ اس لئے ایک خطہ ہمیں الگ درکار تھا نفاذِ اسلام اور نظام مصطفیٰ ﷺ نافذ کرنے کے لئے ہمیں پاکستان بنانے کی ضرورت پڑی۔

جو خطہ حاصل کرنے کا ہم نے خواب دیکھا اس سرزمین کا نام تحریک کے دوران ”پاکستان“ تجویز کیا گیا پھر تحریکِ پاکستان چلی اور پاکستان بن گیا۔ اصل مقصد دین کا، شریعت کا، نظام مصطفیٰ ﷺ کا نفاذ تھا یہ اس کی اولین ترجیحات تھیں اور یہ بات یونہی مبہم نہیں بتائی جارہی بلکہ اس کا تذکرہ بانی پاکستان جناب محمد علی جناح نے متعدد جلسوں میں کیا، علمائے اہلسنّت نے بنارس کی ”سُنّی کانفرنس“ میں جو قرارداد پیش کی اس کے محرکات بھی یہی تھے۔ چاروں طرف سے جب مسلم لیگ کی حمایت کا اعلان ہوا تو سب کے نزدیک یہ بات تھی کہ ایسا ملک ہو کہ جس میں نفاذِ اسلام ہو۔

ارشاد باری تعالیٰ ہوا: ﴿وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِيْنَ﴾ (آل عمران: ۸۵) یعنی اگر اسلامی قانون کے علاوہ کسی نے اور قانون قبول کیا وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کو ہرگز قبول نہیں ہوگا۔ نہ صرف یہ کہ اللہ ربّ العزت کے یہاں ناقابل قبول ہوگا بلکہ آخرت میں بھی ایسے لوگ خسارے میں ہوں گے۔ جنہوں نے اسلام کے علاوہ کسی اور دین کو اپنایا ہو۔

عزیزان گرامی! ہم نے دین کا ترجمہ قانون کیا تو آپ حضرات بہت ممکن ہے یہ کہہ دیں کہ دین تو نماز پڑھنے کا نام ہے، روزہ رکھنے کا نام ہے، دین جو ہے ایک طریقے کا نام ہے لیکن میں عرض کروں کہ دین کا ترجمہ آئین بھی کیا جاسکتا ہے۔ دین کا ترجمہ قانون بھی کیا جاسکتا ہے جیسا کہ قرآن مجید فرقان حمید سے میں ایک مثال عرض کرتا ہوں۔

حضرت یوسف علیہ اسلام کے بھائیوں نے آپ کو کنویں میں ڈال دیا کنویں سے نکلنے کے بعد آپ مختلف جگہوں سے گزرتے ہوئے مصر پہنچ گئے اور شاہِ مصر کے دربار میں پہنچنے کے بعد ایک دَور ایسا آیا کہ آپ بادشاہ بن گئے جب وہ مصر کے بادشاہ بنے اس دوران جہاں حضرت یعقوب علیہ السلام رہتے تھے وہاں سخت قحط ہوا۔ قحط ہونے کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام کے دو بھائی شاہِ مصر کے دربار میں جانے کے ارادے سے نکلے کیونکہ مشہور ہوا کہ شاہِ مصر غریب لوگوں کی مدد کرتا ہے۔ دونوں بھائی حضرت یوسف علیہ السلام کے دربار میں پہنچے۔ ان میں ایک بھائی آپ کے سوتیلے اور ایک بھائی سگے تھے۔ یوسف علیہ السلام نے اپنے دونوں بھائیوں کو پہچان لیا جب کہ وہ یوسف علیہ السلام کو نہ پہچان سکے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے سگے بھائی کو بلانے کے بعد کہا کہ سنا تھا کہ تمہارا کوئی بھائی یوسف تھا؟ اس نے کہا ”ہاں“۔ جانتے ہو اس کا کیا ہوا؟ اس نے اور کچھ جواب دیا۔ فرمایا نہیں۔ بلکہ یہ جو تمہارے سامنے کھڑا ہے یہی تمہارا بھائی ہے اور میں مصر کا بادشاہ ہوں مگر خبردار اس راز کو اپنے دوسرے بھائی سے بیان نہ کرنا۔ ان کو خاموش کردیا۔ خاموش کرنے کے بعد چونکہ دونوں بھائی اِعانت اور مدد کے لئے آئے تھے۔ چنانچہ ان کی اِعانت کی گئی۔ اس زمانے میں ترازو کا رواج نہیں تھا پیمانہ جو گلاس نُما ہوتا تھا اس کا رواج تھا۔ چنانچہ اس پیمانے سے بھر کر جب دونوں کو غلّہ دیا گیا تو غلّہ دینے کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام کی ہدایت پر سگے بھائی کے مال میں شاہی پیمانہ کو رکھ دیا گیا۔

جب یہ دونوں حضرات غلّہ لے کر گئے حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا شاہی پیمانہ چوری ہوگیا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے ارشاد پر ان دونوں بھائیوں کو بلایا گیا۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے ان سے فرمایا کہ ہمارا شاہی پیمانہ چوری ہوا ہے تم میں سے کسی کے پاس تو نہیں ہے انہوں

نے کہا ہم تو آپ سے امداد لینے آئے ہیں زمین میں فساد برپا کرنے تھوڑی آئے ہیں۔ چنانچہ حضرت یوسف علیہ السلام کو چاہیے تو یہ تھا کہ دونوں کی تلاشی کرتے۔ جس کے پاس پیمانہ نکلتا اس کو سزا دے دی جاتی۔ مگر کیا یہ کہ آپ نے ان سے پوچھا کہ یہ بتاؤ کہ جس کے پاس چوری کا مال برآمد ہو اس کی کیا سزا ہے؟ تو وہ بھائی حضرت یعقوب علیہ السلام کی شریعت کا حکم جانتے تھے تو دونوں بھائیوں نے یہ کہا کہ ہمارے یہاں قانون یہ ہے کہ جس کے پاس سے مال نکلے اس کو قید کرلیا جائے۔ یوسف علیہ السلام کے دربار مصر میں یہ قانون تھا کہ جس کے پاس سامان برآمد ہو اسے سزا دی جائے، لیکن ان کی غرض یہ تھی کہ سگے بھائی کو یہاں روک لیا جائے تو سگے بھائی کے مال میں پیمانہ دبا یا گیا۔ یوسف علیہ السلام نے کمال حکمت سے ان سے پوچھا "اب بتاؤ جس کے پاس پیمانہ برآمد ہو اس کی سزا کیا ہے؟" انہوں نے کہا "جس کے پاس پیمانہ نکلے اسے قید کرلیا جائے" یوسف علیہ السلام نے فرمایا تلاشی لو۔ جب دونوں کی تلاشی لی گئی تو سگے بھائی کے مال میں پیمانہ برآمد ہوگیا۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ تمہارے کہنے کے مطابق ہم نے تمہارے بھائی کو گرفتار کرلیا۔ اپنے پاس رکھ لیا اب تم جاسکتے ہو۔ اس طرح دوسرے کو روانہ کیا۔ اس واقعہ کو قرآن مجید نے اس طرح بیان کیا

﴿مَاکَانَ لِیَاۡخُذَ اَخَاہُ فِیۡ دِیۡنِ الۡمَلِکِ اِلَّاۤ اَنۡ یَّشَآءَ اللّٰہُ﴾ (یوسف:۷۶) :

آپ دنیا کی تمام تفاسیر اٹھا کر دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ یہاں آیت میں جو لفظ "دین" استعمال ہوا اس کے متعلق مفسرین فرماتے ہیں کہ مصر کے قانون کے مطابق یوسف علیہ السلام اپنے بھائی کو قید نہیں کرسکتے تھے مگر قرآن پاک نے کہا ﴿کَذٰلِکَ کِدۡنَا لِیُوۡسُفَ﴾ (یوسف:۷۶) یہ تدبیر یوسف علیہ السلام کو ان کے ربّ نے بتائی تھی۔ ربّ نے تعلیم فرمائی تھی۔ تو قرآن مجید سے ہم نے ثابت کیا کہ "دین" کے معنیٰ "قانون" کے بھی ہیں۔ تو اب خطبہ میں پڑھی گئی آیت کا ترجمہ اور مفہوم یوں ہوگا کہ جو اسلامی دین کے علاوہ کسی اور دین کو قانون بنائے تو اللہ تعالیٰ کے یہاں وہ ناقابل قبول ہے اور آخرت میں خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہے۔

عزیزانِ گرامی! پاکستان کو اس لیئے بنایا گیا کہ یہاں "دین" کا قانون ہو، "شریعت" کا قانون ہو، ہم اپنی زندگی اسلام کے مطابق گزاریں۔ آپ جانتے ہیں کہ ہندوستان کے ایک جلسے میں کسی نے جناب محمد علی جناح صاحب سے پوچھا تھا کہ پاکستان میں کونسا قانون ہوگا؟ بانی پاکستان نے قرآن مجید اٹھا کر کہا تھا کہ پاکستان کو کسی قانون بنانے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ پاکستان کا قانون بنا ہوا ہے یعنی قرآن مجید فرقان حمید۔ یہ وعدہ کیا گیا کہ جب پاکستان بنے گا تو قرآن مجید کی حکمرانی ہوگی یعنی شریعت مطہرہ، نظام مصطفیٰ ﷺ کا نفاذ ہوگا۔ یہ پاکستان سیکولرزم (Secularism) کے تحت نہیں بنا سوشلزم (Socialism) یا کمیونزم (Communism) کے تحت نہیں بنا۔

پاکستان اگر بنا تو اسلام کے نفاذ کے لئے بنا ہے۔ اب جو اس نظریہ کو نہیں مانتا۔ حقیقت حال یہ ہے کہ وہ پاکستانی نہیں، آپ کے دستور کے مطابق ،آئین کے مطابق بھی وہ پاکستانی نہیں ہے۔ آپ ملاحظہ فرمائیں۔ صدر مملکت کا حلف نامہ، وزیر اعظم کا حلف نامہ، اسپیکر کا حلف نامہ، ممبر قومی اسمبلی کا حلف نامہ، اس میں اس بات کو مانا گیا کہ "پاکستان ایک نظریاتی مملکت ہے اور نظریہ پاکستان کا میں محافظ رہوں گا اس کو جاری کرنے اور نافذ کرنے کی میں کوشش کروں گا"۔

لیکن نپے تلے جملے آئین میں بھی موجود ہیں پاکستان ایک نظریاتی مملکت ہے اور اسلام کے نفاذ کی خاطر وجود میں آیا اور پاکستان میں سوائے اسلام کے نفاذ کے کوئی اور نظام سوشلزم، کمیونزم نہیں چل سکتا۔ اب آیئے ہم وسیع تر حالات کی طرف نظر کریں۔ پاکستان معرض وجود میں کیسے آیا......؟ یہ ایک بڑی تاریخ ہے۔ انگریز بڑا مکار ہے ایسا مکار ہے جس کا نقشہ اکبر الہ آبادی نے خوب کھینچا وہ کہتا ہے:

(حضرت) عیسیٰ سے کہہ دو کہ گدھے اپنے باندھ لیں
کھیتی چر گئے ہیں حضرت آدم کی تمام

کہ عیسائی حضرت آدم کی کھیتی چر گئے۔ ہندوستان کو تباہ کردیا، برباد کردیا، مسلمانوں کے تشخص کو پامال کردیا۔ غرض یہ کہ بڑی عیاری اور مکاری سے ہندوستان میں گھسا اور جب تک سلطان ٹیپو زندہ (ا) رہا، سلطان ٹیپو کے اردگرد علاقوں پر انگریز تسلط جا چکا تھا اور کچھ پر اس کی حکومت نہ تھی تو انگریز کے معاون و مددگار تھے اور پھر مرہٹے اور نظام دکن پہلے ہی سلطان کے مخالف تھے مزید برآں میر صادق جیسوں کی غداری، تو یہ سارے اسباب تھے کہ سلطان ٹیپو مہم بظاہر ناکامی کا شکار ہوگئی حقیقت میں بعد والوں کے دل میں آزادی کی نہ بجھنے والی چنگاری سُلگا گئی، اللہ تعالیٰ ان کی قبر کو رحمت و رضوان کے پھولوں سے بھر دے، سلطان ٹیپو نے اپنی ایمانی اور ایقانی قوت سے انگریز کو ہندوستان پر مسلط ہونے سے روکا۔ لیکن مسلمانوں کی بدقسمتی کہیے کہ مسلمان کے اپنے ہاتھوں مسلمانوں کے بظاہر خیر خواہ اور اصل میں دشمن حضرات نے انگریزوں سے مل کر سلطان ٹیپو کو شکست دی۔ سلطان ٹیپو

http://www.rebmani.net

۱۲۱۳ھ/ ۱۷۹۹ء میں انگریزوں سے جنگ ہار گیا۔ مئی ۱۷۹۹ء/ ۲۹ ذی قعدہ ۱۲۱۳ھ میں اس مرد مجاہد، مرد آہن کا وصال ہوجاتا ہے۔ وہ ایسا جرأت مند آدمی تھا کہ ہم نے تاریخ میں پڑھا کہ جس وقت سلطان ٹیپو کو شہید کیا جا رہا تھا یا اس کی شہادت کے وقت ابھی حیات کی رمق اس میں باقی تھی جس کو ہم جانکنی کا عالم کہتے ہیں۔ کسی پر جانکنی کا عالم ہو ہاتھ پیر ٹھنڈے پڑ جاتے ہیں۔ آدمی میں پکڑنے کی قوت ختم ہوجاتی ہے۔ لیکن مؤرخین نے لکھا کہ سلطان ٹیپو جب زخمی حالت میں میدان جنگ میں پڑا ہوا تھا۔ اس کے ہاتھ میں تلوار تھی۔ جب تک روح جسم میں باقی رہی تلوار اس کے ہاتھ میں رہی۔ آپ غور فرمائیں کہ عین روح نکلنے اور جان نکلنے کے عالم میں ایک انگریز آگے بڑھا۔ بڑھنے کے بعد وہ اس مسلمان شیر کے ہاتھ سے تلوار چھیننا چاہتا تھا یا کچھ گستاخی کرنا چاہتا تھا تو جناب! سلطان ٹیپو نے عین جانکنی کے عالم میں اپنی تلوار اٹھا کر انگریز کے دو ٹکڑے کر دیئے۔ اور کہا "سلطان ٹیپو میں حیات کی رمق باقی ہے اس سے تلوار اس وقت چھینی جائے گی جب حیات کی کوئی رمق سلطان ٹیپو میں باقی نہ ہو"۔

ہم نے حالات میں پڑھا کہ اس کا وہ غلام اگر پیچھے سے دروازہ بند نہ کرتا اور سلطان ٹیپو کو انگریز نہ گھیرتے اگر وہ قلعے کا پچھلا دروازہ بھی کھلا رہتا جس کے ذریعے سلطان اپنے قلعے میں جانا چاہتا تھا تو وہ محفوظ رہتا لیکن اُسے بند کر دیا گیا۔ سلطان ٹیپو اس طرح اپنے غداروں کی سازشوں کے ذریعے موت کا نشانہ بن گیا۔

اسی طرح آزادی کی بنیاد ڈالنے والا سب سے بڑا مجاہد جس کو تاریخ دانوں نے بُھلا دیا، مؤرخین نے جس کے ساتھ انصاف نہیں کیا، لکھنے والوں نے جس کے ساتھ عدل نہیں کیا۔ وہ آپ جانتے ہیں کون ہے جس نے آزادی کا سب سے پہلا پتھر رکھا؟ جس نے آزادی کا سب سے پہلے سنگ بنیاد رکھا؟ وہ مرد مجاہد حضرت علامہ فضل حق خیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ تھے (۲)، جو دہلی آئے اور تاریخ سے آپ کی بہادر شاہ ظفر سے ملاقات بھی ثابت ہے۔ (۳) اور اس کے بعد میں علامہ فضل حق خیر آبادی علیہ الرحمہ نے دیکھا کہ یہ انگریز ہمارے ذہنوں میں چھا جائے گا۔ مسلمان کی نسل کشی کرے گا۔ ہمارے مذہب اور تشخص کو تباہ و برباد کر دے گا۔ علامہ فضل حق خیر آبادی نے ۱۸۵۷ء میں دہلی میں بیٹھ کر انگریز کے خلاف جہاد کا فتویٰ دیا۔ (۴) جب فتویٰ مرتب کیا سب اکابر علماء سے اس فتویٰ پر دستخط کرائے۔ سارے اکابر علماء نے اس جہاد کے فتوے پر دستخط فرمائے۔ علامہ فضل حق خیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ کا جہاد کا فتویٰ جاری کرنا تھا کہ ہندوستان بھر میں انگریز کے خلاف ایک بہت بڑی عظیم لہر دوڑ گئی اور گلی گلی، قریہ قریہ، کوچہ کوچہ، بستی بستی، شہر شہر وہ قتال وہ جدال ہوا کہ انگریز حکومت کی چولہیں ہل گئیں۔ مگر آپ جانتے ہیں کہ انگریز بڑا مکار اور خبیث ہے اس نے اپنی تدبیریں لڑا کر بڑے بڑے لوگوں کو خرید کر اور ڈرا دھمکا کر بے شمار لوگوں کو قتل کرنے کے بعد اس نے تحریک کو کُچل دیا۔ آزادی کی تحریک کو کُچل تو دیا مگر حضرت علامہ فضل حق خیر آبادی نے آزادی کا سنگ بنیاد رکھ دیا تھا اس کو بظاہر انگریز نے وقتی طور پر کُچل دیا۔ انگریز کے کُچلنے کے بعد کیا ہوا مسلمان دب گئے جوش ولولہ ٹھنڈا ہوگیا کیونکہ اکثر مجاہدین قتل کر دیئے گئے تھے اور جس زمانے میں انگریزوں کے خلاف آواز اٹھی یہ ۱۸۵۷ء کی بات ہے اعلیٰ حضرت امام اہلسنّت کی اس وقت ولادت ہوچکی تھی، آپ اس وقت ایک برس کے تھے۔ (۵) آپ ۱۸۵۶ء میں پیدا ہوئے۔ ۱۸۵۷ء میں انگریز گورنمنٹ کے خلاف جہاد شروع ہوا اور بریلی شریف میں جو کیمپ تھا وہاں مجاہدین کو تربیت دینے والے کون لوگ تھے؟ تاریخ پر نظر ڈالیئے وہ حضرت علامہ مولانا نقی علی خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (۶) (اعلیٰحضرت کے والد ماجد)، حضرت علامہ مولانا رضا علی خان رحمۃ اللہ علیہ (۷) (اعلیٰ حضرت امام اہلسنّت کے دادا) تھے (۸)۔ وہاں بریلی میں بھی مجاہدین کی صفیں درست ہوتیں۔ انگریزوں کے خلاف صفیں درست ہونے کے بعد انگریزوں پر حملے ہوا کرتے تھے لیکن جب اس تحریک کو کچل دیا گیا تو بظاہر یہ تحریک ٹھنڈی ہوگئی لیکن انگریز کے علم میں یہ بات تھی کہ تحریک کو تو ہم نے دبا دیا لیکن جذبۂ جہاد لوگوں کے دلوں سے نکالنا معمولی کام نہیں۔ ملکہ وکٹوریہ، چڑیل نے ایک مکارانہ چال چلی وہ کیا؟ ہندوستان میں اعلان ہوا کہ جتنے بھی باغی ہیں سب کو معاف کر دیا گیا ہے۔ حضرت علامہ فضل حق خیر آبادی چونکہ قوم کو ابھی ان کی ضرورت تھی تو آپ انگریز کے ہاتھ ابھی نہیں آئے تھے۔ ظاہر ہے کہ مجاہدین کو خفیہ ہدایات جاری کرتے اور دہلی سے نکل گئے۔ وہاں سے نکلنے کے بعد کسی طرح علی گڑھ (Aligarh) پہنچ گئے اور علیگڑھ میں بھی ایک عرصہ تک چُھپے رہے اور مجاہدین کی مدد کرتے رہے۔ مجاہدین کو مشورے دیتے رہے۔ غرض یہ ہوا کہ جب انگریز نے یہ اعلان کر دیا کہ جتنے بھی باغی ہیں ہم نے سب کو معاف کر دیا۔ پس یہ اعلان ہونا تھا کہ علامہ فضل حق خیر آبادی ان کے دام میں آگئے۔ انہوں نے سوچا کہ جب ملکہ وکٹوریہ نے اعلان کر دیا اب باہر آجانا چاہیے۔ چنانچہ علامہ فضل حق خیر آبادی باہر آئے اور اپنے وطن خیر آباد پہنچے۔ خیر آباد پہنچ کر چند دن ہی گزارے تھے کہ کسی نے مخبری کی کہ یہی وہ فضل حق ہیں جنہوں نے انگریز گورنمنٹ کے خلاف بغاوت کی اور جہاد کا فتویٰ دیا، چنانچہ علامہ فضل حق خیر آبادی کو گرفتار کیا گیا اور گرفتار کرنے کے بعد لکھنؤ لے جائے گئے۔ اس کے بعد آپ پر دہلی یا لکھنؤ میں مقدمہ چلا، غداری کا مقدمہ چلا، ہوا یہ کہ جس نے گواہی دی، گواہی دینے والے کے دل میں مولانا فضل حق خیر آبادی علیہ الرحمۃ کیلئے کیا نرم گوشہ آیا اس نے ساری کاروائی مکمل ہونے کے بعد علامہ فضل حق خیر آبادی کو پہچاننے سے انکار کر دیا تاکہ ان

کی جان بچ جائے۔ جس جج کے سامنے علامہ فضل حق خیر آبادی پیش کیئے گئے اس جج نے علامہ فضل حق خیر آبادی سے کتابیں پڑھیں تھیں اور وہ چاہتا تھا کہ کوئی بہانہ ایسا نکل آئے جس سے علامہ فضل حق خیر آبادی کو رہا کر دیا جائے اب جو گواہیاں ہوئیں تو اس گواہ نے کہا کہ یہ فتویٰ جس عالم دین نے دیا ہے یہ وہ علامہ فضل حق خیر آبادی نہیں ہیں یہ کوئی دوسرے فضل حق خیر آبادی ہیں جب یہ بیان ہوا اب آپ کے چھوٹنے اور رہا ہونے کی منزل قریب آئی لیکن جب علامہ فضل حق خیر آبادی کا بیان لیا گیا تو اس مرد مجاہد نے انگریز جج کے سامنے یہ اعتراف کیا "جناب! اس گواہ نے مروت میں آکر مجھے پہچاننے سے انکار کر دیا ہے لیکن جہاد کا فتویٰ میں نے ہی دیا ہے۔ یہ مجھ سے نہیں ہوسکتا کہ میں یہ کہوں کہ یہ فتویٰ میرا نہیں۔ میں یہ اعتراف کرتا ہوں کہ یہ فتویٰ جہاد میں نے دیا، جو سزا دی جائے میں اسے قبول کرتا ہوں"

اب دیکھئے جب علامہ نے خود اعتراف کر لیا یہ فتویٰ جہاد میں نے دیا۔ تو علامہ فضل حق خیر آبادی کو گرفتار کر لیا گیا۔ گرفتار کرنے کے بعد عمر قید سنائی گئی اور جزائر انڈمان بھیج دیا گیا کہ جس کو ہم کہتے ہیں کالے پانی کی سزا، وہاں انہیں ۱۸۵۷ء میں بھیج دیا گیا۔ جب ان کو جزائر انڈمان (کالے پانی) بھیج دیا گیا تو ان کے دونوں صاحبزادے علامہ عبدالحق اور دوسرے علامہ شمس الحق یہ خاموش نہیں بیٹھے اور کورٹ، کچہری میں اپنے والد کے دفاع اور تحفظ کی خاطر مقدمہ بازی کرتے رہے یہاں تک کہ عزیزان گرامی ۱۸۶۱ء صفر کا مہینہ تھا، ساڑھے تین چار برس کے بعد جج نے علامہ فضل حق خیر آبادی کی رہائی کا آرڈر دیا کہ علامہ فضل حق خیر آبادی کو رہا کر دیا جائے۔ علامہ شمس الحق (آپ کے صاحبزادے) نے یہ آرڈر لے کر جزائر انڈمان کا سفر کیا۔ خدا کا کرنا دیکھئے کہ جب علامہ شمس الحق جزائر انڈمان پہنچے اور خوش تھے کہ آج والد کی رہائی ہو جائے گی مگر جیسے ہی وہ جزائر انڈمان پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک جنازہ تیار ہے لوگ جنازہ پڑھنے کے لئے تیار ہیں علامہ شمس الحق پہنچے فرمایا یہ جنازہ کس کا ہے؟ لوگوں نے کہا تحریک آزادی کے ہیرو علامہ فضل حق خیر آبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ آج علی الصبح انتقال کر گئے۔ علامہ شمس الحق نے اپنے والد ماجد کے جنازہ میں شرکت کی، علامہ فضل حق خیر آبادی کا مزار، جزائر انڈمان ہی میں ہے، ان کے صاحبزادے رہائی کا پروانہ لے کر واپس آ گئے، یوں کہیے کہ علامہ فضل حق خیر آبادی وہ مرد مجاہد ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کے اخلاص کا بدلہ یہ دیا کہ انگریز کے آزاد کرنے سے پہلے اپنے بندے کو آزاد کر دیا تا کہ انگریز کی آزادی کا دھبہ ان پر نہ لگے اور وہ انگریز کے آزاد کرنے سے پہلے آزاد ہو گئے۔

عزیزان گرامی! دیکھئے یہ ہے سب سے پہلا مرد مجاہد جس نے جان دے کر آزادی کا سنگِ بنیاد رکھا۔ یہ اور ان کے ساتھی انہیں تاریخ نے صرف اور صرف اس لئے فراموش کر دیا کہ ان کا تعلق وہابی جماعت سے نہیں تھا، سُنّی جماعت سے تھا۔ اہلسنّت و جماعت سے تھا۔ اسی لئے بطلِ حُریت علامہ فضل حق خیر آبادی کا نام تاریخ سے مٹانے کیا اور محو کرنے کی کوشش کی گئی۔

علامہ فضل حق خیر آبادی کون تھے؟ ہم سے نہیں مرزا غالب سے پوچھئے وہ گواہی دیں گے مرزا اسد اللہ خاں غالب اکثر اپنے کلام کی تصحیح علامہ فضل حق خیر آبادی سے کرایا کرتے تھے۔ علامہ فضل حق خیر آبادی کے والد ماجد حضرت علامہ فضل امام خیر آبادی (۹) تھے۔ چند اسباق مرزا غالب نے ان سے بھی پڑھے۔ علامہ فضل حق خیر آبادی سے بھی کچھ پڑھا اور جو اشعار اس نے کہے ہیں اس میں ایک طرح سے وہ علامہ فضل حق خیر آبادی کے تلمیذ ہیں۔ لوگوں نے جو یہ کہا کہ ان کا تعلق بھی وہابی گروپ سے تھا۔ یہ بالکل غلط ہے۔ (۱۰) علامہ فضل حق خیر آبادی کا ایک عظیم الشان رسالہ "امتناع نظیر" ہے۔ ایک مسئلہ نکل چلا، اس کی تفصیل تو طویل ہے۔ مختصر خاکہ اپنے ذہن میں بٹھایئے۔ امام الوہابیہ اسماعیل دہلوی نے اپنی کتاب تقویۃ الایمان میں لکھا کہ "اللہ تبارک وتعالیٰ اگر چاہے تو ایک آن میں کروڑوں محمد کو پیدا کر دے" (معاذ اللہ) جب اس نے یہ لکھا تو علامہ فضل حق خیر آبادی نے اس کی گرفت کی۔ اس سے مناظرہ کیا، اس مسئلے میں اس سے اختلاف کر کے کتابیں لکھیں اس میں اہلسنّت کا مؤقف کیا ہے؟ بہت فنی مسئلہ ہے لیکن آسان کر کے بیان کرتا ہوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے: ﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ﴾ (الاحزاب:۴۰) کہ ہم نے اپنے پیارے مصطفیٰ ﷺ کو خاتم النبیین بنا کر بھیجا۔ ان کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے۔ خود رب کریم ارشاد فرماتا ہے۔ ﴿لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمَاتِ اللّٰهِ﴾ ہماری باتیں بدلی نہیں جاتیں۔

علمائے اہلسنّت کا مؤقف یہ تھا کہ جب ربّ کریم فرماتا ہے کہ حضور ﷺ نبوت کے ختم کرنے والے ہیں تو یہ کہنا کہ ایک آن میں اللہ چاہے کروڑوں محمد کو پیدا کر دے یہ مسئلہ غلط ہے۔ چنانچہ اس مسئلے میں دونوں کا مناظرہ ہوا اور اسماعیل دہلوی کو بڑی زبردست شکست ہوئی اور علامہ فضل حق خیر آبادی نے امتناع نظیر پر پوری کتاب لکھی (۱۱)۔ وہ کتاب اس بات کی گواہ ہے کہ علامہ فضل حق خیر آبادی کا وہابی گروپ سے قطعاً تعلق نہیں تھا بلکہ ان کا تعلق اہلسنّت و جماعت سے ہی تھا۔

جس زمانے میں مسلمان انگریزوں سے آزادی کی جنگ لڑ رہے تھے اس زمانہ میں سید احمد رائے بریلوی یہ انگریزوں کے مفاد میں کام رہے تھے چنانچہ

مقالات سید احمد مترجم سخاوت مرزا، ص ۳۲، مطبوعہ نفیس اکیڈمی، کراچی میں سید احمد رائے بریلوی کا اپنا کلام موجود ہے کہ "سرکار انگریزی سے ہمیں کوئی مخاصمت ہے اور نہ کوئی جھگڑا ہے، کیونکہ ہم تو اس کی رعایا ہیں بلکہ ہم تو اس کی حمایت میں رعایا کے مظالم کا استیصال کرنا ہے"۔ (۱۲) اسماعیل دہلوی (۱۳) یہ انگریزوں کے مفاد میں کام کر رہے تھے (۱۴) اور انگریز کی اجازت وتعاون سے سرحد کے غیور مسلمانوں کو کافر ومنافق قرار دے کر ان سے لڑ رہے تھے۔ رشید احمد گنگوہی (۱۵) یہ انگریزوں کے مفاد میں کام کر رہے تھے (۱۶)۔ آپ "تذکرۃ الرشید" (۱۷) اٹھا کر دیکھئے جگہ جگہ انگریز حکومت کو "سرکار انگریز" کہا۔ اور یہ کہا کہ "میں سرکار انگریز سے تو بغاوت کا تصوّر بھی نہیں کر سکتا"۔ (۱۸) غرض مجھے تو ضمناً یہاں یہ سمجھانا تھا کہ غیر منقسم ہندوستان، متحدہ ہندوستان میں جو آزادی کی لہر دوڑائی تو سب سے پہلا شخص جس نے اس کا سنگِ بنیاد رکھا وہ علامہ فضل حق خیر آبادی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ ہیں اور ان کا تعلق اہلسنّت سے ہے۔ الحمد للہ! اہلسنّت کو یہ فخر حاصل ہے کہ انگریز کے زمانے میں جنگِ آزادی کرنیوالے ان کے خلاف جہاد کا فتویٰ دینے والے حضرت علامہ فضل حق خیر آبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہیں۔ (۱۹) اور ان کا وصال ۱۸۶۱ء میں ہوا۔ اور اس جنگ میں حضرت علامہ علیہ الرحمہ کے ہمنوا مجاہد اعظم مولانا سید کفایت علی کافی مرادآبادی علیہ الرحمہ تھے، جو عاشق رسول ﷺ اور اسلام کے سچے سپاہی تھے (۲۰) اور آپ آخر وقت تک باطل کے آگے جھکے نہیں، یہاں تک کہ آپ کو ۳۰/اپریل ۱۸۵۸ء کو مرادآباد میں پھانسی دے دی گئی، پھانسی کے وقت حضرت کی زبان پر جو شعار تھے ان میں سے پہلا شعر ہے: "کوئی گُل باقی رہے گا نہ چمن رہ جائے گا پر رسول اللہ کا دینِ حسن رہ جائے گا"۔ اور مولانا عبدالجلیل علی گڑھی جو انگریز کے خلاف جہاد کرتے ہوئے شہید ہوئے اور جامع مسجد علی گڑھ میں مدفون ہیں (۲۱)، اور مجاہد اعظم مولانا سید احمد اللہ شاہ شہید مدراسی جنہوں نے میدانِ کارزار میں ۱۳ ذیقعدہ ۱۲۷۵ھ کو جامِ شہادت نوش فرمایا (۲۲)۔ ان کے علاوہ بے شمار علماء کرام ایسے بھی جنہوں نے جنگِ آزادی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا جیسا کہ حضرت مولانا صدرالدین آزردہ (۲۳) وغیرہ اور ان سے بعض تو ایسے ہیں کہ جن کے نام بھی محفوظ نہ رہ سکے، ظالم تاریخ نویسوں نے کیا ظلم ڈھایا کہ جنہوں نے قربانیاں دیں، جنگِ آزادی میں تکلیفیں، اذیتیں، مصیبتیں برداشت کیں، ان کا نام تک تاریخ کے اوراق کی زینت نہ بنے اور جو عوام کے غدّار اور انگریز کے وفادار تھے ان کو مجاہد اور جنگِ آزادی کا ہیرو بنا دیا۔

مولانا محمد علی جوہر (۲۴)، دوسرے مولانا شوکت علی (۲۶) اور اسی قسم کے حضرات حضرت مولانا عبدالباری فرنگی محلی (۲۷) کے ہاتھوں میں میدان سیاست آیا، اب کیا ہوا؟ انگریز کو ظلم کرکے ایک عرصہ بیت گیا تھا۔ اور اس عرصے میں یہ مسلم لیڈر آپس میں سر جوڑ کر ساتھ بیٹھتے کہ کیا کرنا چاہیے انگریز سے نجات حاصل کرنے کے لئے کون سا طریقہ اختیار کیا جائے؟ انگریز کو یہاں سے بھگانے کے لئے کیا طریقہ استعمال کیا جائے؟

تحریک کو سمیٹتے ہوئے عرض کرتا ہوں تحریکیں تو بہت چلیں، پہلے تحریک یہ چلی کہ انگریز کو کیسے نکالا جائے؟؟ ہندو اور مسلم میں اتحاد ہو جائے۔ ہندو اور مسلمان یہ دونوں متحد ہو کر تحریک چلائیں کہ ہم متحد ہیں انگریز کو نکالا جائے جب یہ تحریک اپنے عروج پر پہنچے گی تو ان کے ذہن میں یہ بات تھی کہ جب تحریک چلے گی تو اس کے دوران انگریز بھاگ جائے گا۔ جب انگریز بھاگ جائے گا تو انگریز اتنا سیدھا شریف النفس ہے کہ جب یہاں سے بھاگے گا تو یہ بیٹھ کر فیصلہ کرے گا کہ ہم نے حکومت مسلمانوں سے لی تھی، بہادر شاہ ظفر سے لی تھی......، سلطان ٹیپو سے چھینی تھی...... تو اب ہمیں یہ حکومت مسلمانوں کے حوالے کرکے جانا چاہیے۔

کیا انگریز جاتا تو اقتدار مسلمانوں کے سپرد کرکے جاتا؟ نہیں نہیں!! اس میں گاندھی اور اس کا ٹولہ ایمرجینسی میں ساؤتھ افریقا سے آیا، آنے کے بعد اس نے ہندوؤں کی کمان سنبھالی۔ بڑی چالاکی اور چابک دستی سے اس تحریک کو اجاگر کیا کہ "ہندو مسلم بھائی بھائی" کہ پہلے انگریز کو یہاں سے نکالا جائے۔

آپ جانتے ہیں اس کے مضر اثرات کیا ہوئے؟؟ بڑے بڑے ہمارے لیڈر گاندھی کی آندھی میں بہہ گئے اور آپ کو سن کر حیرت ہوگی مولانا محمد علی جوہر گاندھی کی آندھی میں بہہ گئے مولانا شوکت علی، جناب مولانا عبدالباری لکھنوی فرنگی محلی بھی گاندھی کی آندھی میں بہہ گئے (۲۸)، خود ہمارے بانیٔ پاکستان محمد علی جناح صاحب بھی گاندھی کی آندھی میں بہہ گئے۔ (۲۹) ہوا یہ کہ ہندو اور مسلم میں اتنا گٹھ جوڑ ہوگیا، اتنا گٹھ جوڑ ہوگیا کہ اب جگہ جگہ نعرے لگنے لگے "ہندو مسلم بھائی بھائی" یہ نعرہ لگایا گیا کہ ہندو مسلم بھائی بھائی، انگریز کو یہاں سے نکالا جائے۔ پھر ایک تحریک چلی "اکھنڈ بھارت" کیا مطلب؟ کہ مسلمان اور ہندو دونوں ایک ہو جائیں اور انگریز کو یہاں سے نکالیں یہ تحریک تھی اکھنڈ بھارت۔ ایک تحریک چلی ترک موالات وہ کیا تھی؟ وہ یہ تھی کہ انگریز کے مال کا بائیکاٹ کیا جائے۔ انگریز کے جتنے عہدے ہیں سب واپس کر دیئے جائیں جتنے اس کے بیج، بلے اعزازات، کارکردگی کے تحفے یہ سب انگریز کو واپس کر دئے جائیں۔ انگریز کی سرکاری ملازمتیں چھوڑ دی جائیں۔

اس تحریک کے چلنے میں جتنے مسلمان تھے سب نے اپنے بیج دے دیئے، اپنے اعزازات واپس کر دئے، انگریزوں کی ملازمت چھوڑ دی

جب ہندوؤں اور مسلمانوں میں یہ (Pact) معاہدہ ہوا تھا کہ سب انگریز کی ملازمت چھوڑ دیں گے تو معاہدہ یہ تھا کہ مسلمان ایک ہندو تین (3:1) کا تناسب یعنی کوئی ایک مسلمان اپنے عہدہ کو چھوڑے تو تین ہندوؤں کو بھی چھوڑنا ہوتا، کوئی ایک مسلمان نوکری چھوڑے تو تین ہندو نوکری چھوڑ دیں کیونکہ مسلمان اقلیت میں تھے اور ہندو اکثریت میں تھے۔ اب چاہیئے تو یہ تھا ایک مسلمان کے بدلے تین ہندو نوکریاں چھورتے مگر اس ہندو بدمعاش نے ایسا ہی کیا جیسا کہ ان کے لیڈروں نے ان کے کانوں میں کھوپ رکھا تھا۔ مسلمان تو معاہدہ کے تحت نوکریاں چھوڑنے لگ گئے۔ اعزاز واپس کرنے لگ گئے یہاں تک کہ آپ کو حیرت ہوگی کہ ہمارے یہاں پاکستان میں سب سے بڑا فوجی اعزاز 'نشان حیدر' ہے۔ انگریز کے زمانہ میں ''وکٹوریہ کراس'' (Victoria Cross) تھا۔ یہ انتہائی فوجی اعزاز تھا اور وہ وکٹوریہ کراس ایسا اعزاز تھا کہ جب آدمی لگا کر ہندوستان میں وائسرائے (Viceroy) کے سامنے چلا جائے تو اس کے بیچ ''وکٹوریہ کراس'' کو دیکھ کر وہ کھڑے ہو کر اس کا ادب کرتا تھا۔ گورنر کے پاس چلا جائے وہ کھڑا ہو جائے۔ بڑی بڑی جگہ پر چلا جائے اس اعزاز کے پاس میں وہ سب کے سب کھڑے ہو جائیں۔ جس کو یہ اعزاز ملتا اس کو بڑی مراعات حاصل تھیں۔ ساری زندگی کے لئے VIP ہی نہیں بلکہ VVIP (Very Very Important Person) اہم ترین شخصیت بن جائے، گویا کہ وہ بہت بڑا اعزاز تھا اس کو تک لوگوں نے واپس کر دیا۔

اس دَور میں مولانا محمد علی جوہر لوگوں کے ذہنوں میں اور سیاست پر چھائے ہوئے تھے، ابوالکلام آزاد (۳۰) لوگوں کے ذہنوں پر چھایا ہوا تھا، مولانا شوکت علی لوگوں کے ذہنوں پر چھا گئے۔ مولانا عبدالباری فرنگی محلی لوگوں کے ذہنوں پر چھا گئے۔ نہرو، گاندھی یہ سب لوگوں کے ذہنوں پر چھا گئے کہ انگریز کو یہاں سے نکالا جائے۔ لیکن اس نعرہ 'ہندو مسلمان بھائی بھائی' کے بہت سے مضر اثرات ہوئے۔ مسلمان بے روزگار ہونے لگ گئے۔ مسلمانوں نے نوکریاں چھوڑنی شروع کر دیں۔ اپنے اعزازات واپس کر دیئے اور سب سے بڑا بھیانک نتیجہ یہ نکلا کہ ہندوؤں اور مسلمانوں میں شادیاں شروع ہو گئیں۔ اس زمانے میں وہابیہ نے بڑا شاندار کردار ادا کیا انہوں نے یہ کہا کہ جب قربانی کا موقع آتا ہے عیدالاضحیٰ میں ہم جو گائے ذبح کرتے ہیں، گائے ذبح کرنے سے ہندوؤں کو تکلیف ہوتی ہے۔ اس لئے کہ وہ کہتے ہیں کہ گئو ہماری ماتا ہے وہ اس کو خدا مانتے ہیں۔ ہندوؤں میں ایک طبقہ ایسا ہے جس کے تصور سے ذہن میں گھن آتی ہے وہ گائے کا پیشاب بطور تبرک کے پیتا ہے اور ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ ہندوؤں کا وہ طبقہ جو گائے کو گئو ماتا کہتا ہے اگر گائے کسی ایسے ہندو کے دروازے پر پہنچ جائے تو جناب وہ کیا کرتا ہے؟ کہ وہ ایک برتن پہلے سے تیار رکھتا ہے، پہلے گائے کی ضیافت کرتا ہے فوراً ایک برتن تیار کر کے اس کے سامنے کھڑا ہو جائے گا۔ کہ گئو ماتا صاحبہ ہمارے اس برتن سے کچھ کھالے تو ہمیں برکت ملے گی۔ اور اگر گائے نے کھاتے کھاتے پیشاب شروع کر دیا تو ہندو برتن لگا دے گا اور برتن لگانے کے بعد اب یہ گائے کا پیشاب لا کر پھر اس پیشاب کو اپنے مکان میں تبرک کے طور پر چھڑکتا ہے۔ مٹھائی کی دوکان والا بھی اس تبرک کو ساری مٹھائی کی پلیٹوں پر چھڑکتا ہے۔ پرچون والا سارے پرچون پر چھڑکتا ہے۔ مختلف دکاندار گائے کے پیشاب کو بطور تبرک مختلف طریقوں سے اپنی دوکانوں میں استعمال کرتے ہیں۔ غرض کہ وہابیہ نے فتویٰ دیا ''لوگوں گائے کو ذبح نہ کرو اس سے ہمارے بھائی ہندو کو تکلیف ہوتی ہے'' اس طرح انہوں نے اپنی ہندوؤں سے محبت اور وابستگی کا ثبوت دیا۔

۱۸۹۷ء میں اعلیٰ حضرت امام اہلسنّت مجدد دین وملت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی اپنے شباب کے عالم میں تھے جب دیکھا کہ ہندو مسلمان ایک ہوئے جا رہے ہیں، نکاح، شادی بیاہ ہوئے جا رہے ہیں آپ نے اپنا مذہبی فریضہ انجام دیتے ہوئے پٹنہ (Patna) میں سُنی کانفرنس کرنے کے بعد یہ دوقومی نظریہ (Two Nation Theory) سب سے پہلے امام اہلسنّت علیہ الرحمۃ نے پیش کیا اور اس میں امام اہلسنّت نے واہ شگاف آواز میں اعلان کیا ؎

لباس خضر میں یہاں سینکڑوں رہزن بھی پھرتے ہیں
اگر جینے کی خواہش ہے تو کچھ پہچان پیدا کر

''میرے عزیز مسلمانوں! ہندو الگ قوم ہے اور مسلمان الگ قوم ہے اور سنو ہمارے سرکار جناب نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اَلْکُفْرُ مِلَّۃٌ وَّاحِدَۃٌ'' کفر ملّتِ واحدہ ہے۔ کفر اگر برطانیہ کا ہو کفر ہے، کفر اگر امریکا کا ہے تو کفر ہے، کفر اگر ہندوستان کا ہے تو کفر ہے کیونکہ کفر ایک ملّت ہے۔ یہ مت سمجھنا کہ امریکا کا کفر اور ہے یہاں کا کفر کچھ اور ہے۔ تم نے ہندوستان کے کفر کو اختیار کر لیا ہے یہاں ہندو سے تم نے صلح کر لی اور یہ سمجھے کہ انگریز حکومت دے کر جائے گا، نہیں ایسا نہیں''

گاندھی اور اس کی ذُرِیّت بھی یہی چاہتی تھی کہ مسلمانوں سے مدد لے کر انگریزوں کو بھگا دیا جائے اور اکثریت میں تو ہندو ہیں یہ تمام سیاست پر اور پورے ہندوستان پر چھا جائیں گے اور مسلمانوں کو دوبارہ سے کُچل دیا جائے گا۔ مگر مولانا شوکت علی نہیں بھانپ پائے۔ مولانا عبدالباری اس کو نہیں

بھانپ پائے، دیگر علماء وزعماء اس کو نہیں بھانپ پائے۔ مگر اس میں شک نہیں کہ اس معاملے میں یہ سب کے سب مخلص تھے کہ مسلمانوں کو آزادی ملنی چاہیئے مگر ان کا سیاسی نقطۂ نظر غلط تھا۔ تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ مولانا محمد علی جوہر بریلی شریف آئے۔ اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خان علیہ الرحمۃ والرضوان سے ملاقات کی اور اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے فرمایا ''مولانا! آپ کی سیاست میں اور ہماری سیاست میں بڑا فرق ہے۔ آپ ہندو مسلم اتحاد کے حامی ہیں اور میں مخالف''، یعنی ہماری سیاست یہ ہے کہ پورے ہندوستان کے سُنی مسلمانوں کو ایک جگہ کیا جائے اور آپ کی سیاست یہ ہے کہ ہندو مسلمان مل کر انگریز کو بھگائیں اس لئے ہماری آپ سے نہیں بنے گی۔ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی نے بھی اپنی کتاب ''علماء اِن پالیٹکس'' میں اس کا ذکر کیا ہے۔ (۳۱) اور اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ مسلمانوں کا اتحاد ہو تو یہ لیجئے (اس غربت کے دَور میں جس زمانہ میں پیسے کی بڑی ویلیو تھی اپنی جیب خاص سے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے) پچاس روپے مولانا محمد علی جوہر کو چندہ دیا کہ لیجئے مسلمانوں میں اتحاد قائم کیجئے۔ اکھنڈ بھارت کو چھوڑ یے۔ پس امام اہلسنّت نے ۱۸۹۷ء میں دوقومی نظریہ ''پٹنہ سُنّی کانفرنس'' میں پیش کر دیا۔ پس اعلیٰ حضرت نے جو یہ دوقومی نظریہ پیش کیا تاریخ گواہ ہے کہ دوقومی نظریہ جو ڈاکٹر اقبال ۱۹۲۱ء میں الہ آباد کے جلسے میں پیش کیا کہ ''میرے ذہن میں ایک نقشہ ہے کہ مسلمانوں کی ایک الگ مملکت ہونی چاہیئے جو مسلم آبادیاں ہیں وہ مسلمانوں کو مل جائیں جہاں ہندو ہیں وہ علاقے ہندوؤں کے زیر اثر آ جائیں''۔

غور فرمایئے کہاں ۱۸۹۷ء اور کہاں ۱۹۲۱ء کا اجلاس جہاں یہ نقشہ پیش کیا گیا۔ اس معاملے میں علامہ اقبال، اعلیٰ حضرت سے پیچھے ہیں اور اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے تو ۱۸۹۷ء میں ہی یہ نظریہ پیش کر دیا تھا (۳۲)۔ اور اس زمانہ میں پیش کیا جس زمانے میں بانی پاکستان محمد علی جناح بھی ہندو مسلم اتحاد کے قائل تھے، مولانا محمد علی جوہر اور دیگر سب اسی اتحاد کے گرویدہ تھے۔ عزیزان گرامی! مگر وقت نے بتایا کہ امام اہلسنّت نے ۱۸۹۷ء میں جو نظریہ پیش کیا تمام مسلم جماعتیں سر جوڑ کر بیٹھیں اور انہوں نے فیصلہ کیا خصوصاً مسلم لیگ نے اور وہ یہ تھا کہ: ''اب ہمیں انگریز سے بھی جان چھڑانی چاہیئے اور ہندو سے بھی جان چھڑانی چاہیئے اور مسلمان ایک علیحدہ قوم ہے اپنے ملک کے لئے جدوجہد کریں اور جب علیحدہ اپنے ملک کے لئے جدوجہد کریں گے تبھی ہم کامیاب ہوسکتے ہیں''

عزیزان گرامی! یہ سلسلہ چلا لیکن آزادی سے پہلے مولانا محمد علی جوہر چلے گئے۔ مولانا شوکت علی چلے گئے۔ اس میں شک نہیں کہ مسلمانوں کے خیر خواہ تھے۔ جب وہ لوگ گول میز کانفرنس (Round Table Conference) لندن میں گئے تو مولانا محمد علی جوہر نے کہا ''میں تو مر کے جاؤں گا یا آزادی لے کر جاؤں گا''۔ آزادی تو نہ ملی مگر ان کا راستے میں انتقال ہو گیا۔ یہ ان کے اخلاص کا ثمر تھا کہ مولانا محمد علی جوہر بیت المقدس میں دفن کئے گئے۔ لیکن آج ہمیں یہ بات کہتے ہوئے شرم آتی ہے کہ بیت المقدس میں ایک دو نہیں ہزاروں انبیائے کرام کے مزارات ہیں وہ بیت المقدس جو مسلمانوں کا قبلہ اول ہے، وہ بیت المقدس جس میں حضور رحمت عالم ﷺ نے شب معراج امامت فرمائی اور تمام انبیائے کرام نے حضور رحمت عالم ﷺ کی اقتداء میں نماز پڑھی۔ مسلمانوں کی غفلت کی وجہ سے آج یہودیوں کے قبضہ میں ہے۔ ناپاک یہودیوں کے پیروں تلے وہ زمین ہے۔ دعا فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے اس قبلۂ اول کو آزاد فرما دے۔ وہ قبلہ اول جس کی دیواریں سر اٹھا اٹھا کر کسی سلطان صلاح الدین ایوبی کو تلاش کر رہی ہیں۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے سولہ برس لڑ کر بیت المقدس کا ایک انچ حصہ کسی کو نہیں دیا اور آج کیلوں کانٹے سے لیس مسلمان کتنے بڑی قوت بنے ہوئے ہیں۔ مگر یہودیوں نے اتنا بڑا اور مکرم خطہ مسلمانوں سے لے لیا۔ اور محض مسلمانوں کی غفلت کی وجہ سے وہ چلا گیا۔ لیکن ضمناً میں یہاں یہ بات عرض کر دوں اس کا خلاصہ میں تقریر کے آخر میں کروں گا۔ آپ جانتے ہیں کہ بیت المقدس مسلمانوں کی غفلت سے گیا، وہ قبلہ اول مسلمانوں کی بداعمالیوں سے گیا۔ اگر یہی بداعمالیاں پاکستان میں رہیں اور اگر یہی بداعمالیوں کا دروازہ اور پھاٹک پاکستان میں کھلا رہا میں آپ سے فیصلہ چاہتا ہوں بتایئے کہ کیا پاکستان بیت المقدس سے زیادہ متبرک ہے؟؟ کیا پاکستان بیت المقدس سے زیادہ مکرم ومحترم ہے؟؟ دیکھو عزیزوں! بیت المقدس مسلمانوں کے ہاتھوں سے چلا گیا، مسلمانو اگر تم نے اپنی روش تبدیل نہیں کی۔۔۔ تو خدانخواستہ کوئی عجب نہیں کہ لاکھوں جانوں کو قربان کر کے جو پاکستان بنا ہے شاید یہ بھی تمہارے ہاتھ سے چلا جائے۔ اگر تم نے اس نعمت کی قدر نہ کی تو یہ ممکن ہے۔

تحریک آزادی کا نقشہ بدل گیا۔ مسلمانوں کی متحدہ مسلم لیگ بنی اور اس کے قائد بغیر کسی اختلاف کے بانی پاکستان محمد علی جناح قرار پائے، اور اس کے بعد ایک تحریک چلی اور ایسی زبردست تحریک چلی کہ جس نے انگریزوں کی چولھیں ہلا دیں۔ اور اس تحریک کو کامیاب بنانے میں سُنّی مشائخ وعلماء کا بہت بڑا کردار تھا جن کی اکثریت ''آل انڈیا سُنّی کانفرنس'' (۳۳) کے پلیٹ فارم سے ۱۹۲۵ء سے کام کر رہی تھی، اور ان کی ایک بڑی تعداد مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے بھی کام کر رہی تھی جن میں مجاہد ملّت مولانا عبدالحامد بدایونی اور مبلّغ اسلام وشارح نظریۂ پاکستان علامہ عبدالعلیم صدیقی میرٹھی وغیرہما نے سب سے نمایاں کردار ادا کیا، بہر حال سُنّی مشائخ وعلماء کی دن رات محنت اور مسلم لیگی قیادت کی رہنمائی اور کارکنان کی سعی نے عوام

مسلمین کے دلوں میں آزادی اور حصولِ پاکستان کی ایسی جستجو پیدا کردی کہ بڑے تو بڑے بچہ بچہ کہنے لگا کہ ''لے کے رہیں گے پاکستان، بٹ کے رہے گا ہندوستان'' یہ نعرے لگنے لگے۔ آپ کے بلوچستان کے حوالے سے تاریخ کا ایک اہم ورق موجود ہے۔ بلوچستان کے اسکول کے کچھ لڑکوں نے اپنے خون سے رومال پر یہ نعرہ لکھ کر دیا تھا کہ ''لے کے رہیں گے پاکستان، بٹ کے رہے گا ہندوستان'' (۳۴) یہ چھوٹے رومال جو جیب میں رکھے جاتے ہیں یہ بانیِ پاکستان کو ہندوستان میں وصول ہوئے کہ جس میں اسکول اور کالج کے لڑکوں نے اپنے خون سے یہ نعرہ لکھ کر دیا تھا۔ یعنی تحریک اس نہج پر چلی گئی تھی۔

تاریخ کا ایک اہم باب یہ بھی ہے کہ ایک لڑکا کہیں دوڑ رہا تھا دوڑتے ہوئے کہیں اس کو ٹھوکر لگی ٹھوکر لگنے کے بعد بچہ رونے لگا۔ اور گھٹنے سے خون نکلنے لگا کسی ہندو نے جب اس بچہ کو دیکھا اس ہندو نے بچے پر پھبتی کستے ہوئے کہا ''اے بچے! کیا تم بناؤ گے پاکستان؟؟ کہ اتنے ذرے سے خون سے رونے لگ گئے۔ کیا تم بناؤ گے پاکستان؟؟'' بچوں کا جذبہ یہ تھا۔ کہ بچے نے روتی ہوئی آواز کو روکتے ہوئے کہا۔ ''او پنڈت، او ہندو!! او دھوتی پرشاد!!! میں اس لئے رو رہا ہوں کہ یہ خون تو میں نے پاکستان کے لئے رکھا تھا جو اس سے پہلے بہہ گیا۔'' اس سے اندازہ لگایئے کہ مسلمانوں کے بچوں کے کیا جذبات تھے۔ اور نعرہ یہ تھا:

''پاکستان کا مطلب کیا؟؟ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ ﷺ''

اس کی تفصیل کیا تھی؟؟ وہ یہ کہ پاکستان اس لئے بنے گا کہ یہاں شریعت کا نفاذ ہوگا، پاکستان اس لئے بنے گا کہ دینِ مصطفیٰ ﷺ کا نفاذ ہوگا، پاکستان کا مطالبہ اس لئے کیا گیا کہ پاکستان میں نظامِ مصطفیٰ ﷺ کو برسرِ اقتدار لایا جائے گا۔ اب کیا ہوا؟ اب ایک تحریک چلی، پہلے تو تھا اکھنڈ بھارت، ترکِ موالات، نام نہاد ریشمی رومال وغیرہ وغیرہ یہ ساری تحریکوں کے بعد آخری دَور میں تحریک اس نہج پر پہنچ گئی کہ ہندو الگ قوم ہے، مسلمان الگ قوم، اب انگریز کو مجبور کیا جائے کہ ہندوؤں کے لئے خطہ زمین الگ ہو، مسلمانوں کے لئے خطہ زمین الگ ہو، مسلم لیڈر جو لڑ رہے تھے ان کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ بلوچستان، پنجاب، دہلی، فیروز پور جتنی بھی مسلم آبادیاں ہیں یہ سب کی سب پاکستان بنیں گی مگر انگریزوں نے مکاری سے مسلمانوں کو دو ٹکڑوں میں تقسیم کیا۔ دہلی، فیروز پور اور دیگر کئی علاقے پاکستان کا حصہ نہیں بنے، جونا گڑھ کو ہڑپ کرلیا اور بعد میں ہندوؤں نے حیدر آباد دکن کو بھی ہڑپ کرلیا، جو بددیانتی ہوئی ہے وہ آپ کے سامنے ہے۔ اسی طرح گورداس پور اور پٹھانکوٹ کے علاقے قادیانیوں کی سازش سے ہندوستان میں شامل ہوگئے۔ (۳۵) غرض یہ کہ اب تحریک کا رُخ بدل گیا کہ مسلمانوں کے لئے خطہ الگ ہونا چاہیئے۔ انگریز کو مجبور کردیا گیا کہ وہ اس بھارتی حصہ کی تقسیم کرے۔

اب کیا ہوا؟ سارے علمائے اہلسنّت ایک طرف سارے بدمذہب ایک طرف۔ یہ بالکل میں ڈٹ کر کہتا ہوں کہ آج دیکھیں پاکستان بنانے کے دعوے دار کون بنتے ہیں؟؟ مولانا مودودی، مفتی محمود کی جماعت، جمعیت علمائے اسلام، مولوی فضل الرحمٰن، مولوی سمیع الحق، جمعیت علمائے اسلام دوسرا گروپ، جماعت اسلامی یہ سب دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم نے پاکستان بنایا۔

پاکستان کس نے بنایا میں آپ کو بتاتا ہوں۔ تاریخی حوالہ دیتا ہوں اور آپ سے گزارش کرتا ہوں کہ غور سے ملاحظہ فرمایئے۔ ہندوستان سے ایک اخبار نکلتا تھا جس کا نام تھا ''دبدبۂ سکندری'' یہ اخبار رامپور سے چھپتا تھا (۳۶) اپنی اشاعت 10 جون 1946 میں لکھتا ہے۔ ''جب بنارس میں ''سُنّی کانفرنس'' منعقد ہوئی لاکھوں عوام کے سامنے 5000 علماء و مشائخ اہلسنّت (اور پروفیسر اکرم رضا کی تحقیق کے مطابق پانچ سو مشائخ و سات ہزار علماء) نے فیصلہ کیا ''تمام علمائے اہلسنّت پاکستان کے حق میں ہیں اور ہماری یہ آواز جناح صاحب تک پہنچادی جائے کہ جناح صاحب اور مسلم لیگ اگر حصول پاکستان کے مطالبہ سے دستبردار بھی ہوگئے تو ہم علماء اپنی کوشش جاری رکھیں گے۔ علماء پاکستان کے مطالبے سے دستبردار نہیں ہونگے''۔ (۳۷) علماء کی ان کوششوں میں کیا ہوا۔ ایک کانفرنس اپریل 1946 میں بنارس میں ہوئی جس کی صدارت حضرت علامہ مُحدِّث اعظم ہند سید محمد مُحدِّث کچھوچھوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کی۔ (۳۸) حضرت محدِّث کچھوچھوی کا یہ خطبہ اہلسنّت برقی پریس مراد آباد سے چھپ کر شائع ہوا تھا، مندرجہ بالا کلمات اس کے آخری صفحہ پر موجود ہیں، اس سے پہلے ایک ''سُنّی کانفرنس'' 1935ء میں بدایوں میں ہوئی اس کی صدارت کے لئے حضرت علامہ امیرِ ملّت پیر سید جماعت علی شاہ مُحدِّث علی پوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (۳۹) تشریف لائے۔ اس کے بعد میں پھپوند ایک مقام ہے ہندوستان میں وہاں ایک کانفرنس ہوئی جو حضرت محدِّث کچھوچھوی علیہ الرحمۃ کی صدارت میں ہوئی۔ اس کا نام بھی ''سنی کانفرنس'' تھا۔ 1946ء میں ایک سُنّی کانفرنس اجمیر شریف میں ہوئی۔ جس کی صدارت سید آلِ رسول دیوان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمائی۔ جو اس زمانہ میں خواجۂ خواجگان خواجہ غریب نواز کی اولادوں میں سے تھے۔ یہاں ان تمام کانفرنسوں میں پاکستان بننے کی قرارداد منظور ہوئی۔ اس کے بعد شاہجہان پور، UP میں مئی 1946

میں ایک سنی کانفرنس ہوئی۔ اس کے بعد ایک سُنّی کانفرنس ۱۲۔۱۳ اکتوبر ۱۹۴۶ء کو عیدگاہ بندر روڈ، کراچی کے وسیع میدان میں حضرت علامہ مولانا غلام رسول قادری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی صدارت میں منعقد ہوئی۔ اللہ تعالیٰ اُن کے مزار کو رحمت و رضوان کے پھولوں سے بھر دے۔ ان کا مزار سولجر بازار کراچی میں ہے۔ اس کانفرنس میں ہندوستان سے حضرت علامہ عبدالحامد بدایونی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بھی شریک ہوئے اور سندھ کے نامور علماء ومشائخ نے اس میں شرکت کی۔ اس طرح کی کانفرنسیں ہوئیں تو اہلسنّت نے ہندوستان میں ایک تہلکہ مچادیا (۴۰) اس کے بعد اب بدمذہبوں کو کیا سوجھی۔ ان کا سرخیل کوئی مولوی غیرت مند ہوتو جواب دے اور یہ کہے کہ ہم جھوٹ بولتے ہیں۔ اگر اس میں ذرہ برابر جرأت ہے تو ہمارے بیان کو غلط ثابت کر کے بتائے۔ مسلمانوں کا نقطہ نظر یہ تھا مسلمان الگ قوم ہے اور ہندو الگ قوم ہے۔ ہماری قوم مذہب سے ہے، ہم مسلمان ایک ملّت ہیں۔ چاہے کہیں کے بھی ہوں اور دیوبندیوں کے سرخیل نے کیا فتویٰ دیا؟؟ کہ یہ بات غلط ہے کہ ملّت مذہب سے ہے بلکہ ملّت وطن سے ہے۔ ہندو ہمارے وطنی ہیں ایک وطن کے رہنے والے۔ ہم مسلمان ہندوستانی ہیں، ہندو بھی ہندوستانی ہیں۔ لہٰذا ہم دونوں بھائی بھائی ہیں۔ یہ فتویٰ اتنا مشہور ہوا اگر میں آپ کو علماء کی دستاویز دکھاؤں تو آپ کہیں گے یہ تو مولویوں کا جھگڑا ہے۔ سنیئے ڈاکٹر اقبال نے کہا:

عجم هنوز نداند رموزِ دیں ورنہ
ز دیوبند حسین احمد ایں چہ بوالعجبی ست
سرود بر سر منبر کہ مِلّت از وطن ست

چہ بے خبر ز مقامِ محمدِ عربی ست (۴۱) دیوبند کا اتنا بڑا عالم جسے حسین احمد مدنی کہتے ہیں منبر رسول پر بیٹھ کر یہ کہتا ہے ملّت وطن سے ہے ایسا لگتا ہے کہ یہ بدبخت مقام مصطفیٰ ﷺ سے بے خبر ہے۔ میں کہتا ہوں ملّت مذہب سے ہے (۴۲)۔ اس میں ڈاکٹر اقبال نے کلیۂ اہلسنّت وجماعت کے علماء کی ترجمانی کی۔ (۴۳) مولوی حسین احمد مدنی دیوبندی کے اس فتویٰ کے بارے میں تحریکِ پاکستان کے رُکن، ممتاز مؤرّخ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی (۴۴) کی بھی سنیئے جو انہوں نے اپنے ایک یادگار انٹرویو میں کہا، چنانچہ ایڈیٹر لکھتے ہیں: ”ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی نے تحریکِ پاکستان میں علماء، طلباء، تاجروں اور سیاستدانوں کے کردار کا اجمالی تذکرہ کرتے ہوئے کہا علماء کی دو جماعتیں تھیں، ایک پاکستان کے حق میں تھی اور دوسری پاکستان کی مخالفت میں۔ انہوں نے کہا کہ علامہ اقبال اور مولانا حسین احمد مدنی (دیوبندی) کے درمیان مخالفت کی ابتداء اس وقت ہوئی جب ۱۹۳۸ء میں دہلی کی ”جنگل والی مسجد“ میں تقریر کرتے ہوئے مولانا حسین احمد مدنی نے کہا کہ ”دنیا میں جتنی بھی قومیں بنتی ہیں ان کی بنیاد وطنیت ہے، مذہب نہیں“، چونکہ یہ بات علامہ اقبال اور اسلام کے فلسفے سے متصادم تھی لہٰذا علامہ اقبال نے وہ مشہور شعر کہے۔ ....“ (۴۵)

اور انجمن طلبہ اسلام کراچی کی جانب سے فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کی یاد میں منعقد ہونے والے ایک مذاکرے میں انہوں نے کہا کہ ”اس نازک دَور میں جب مسلمان اپنی بقا کی جنگ لڑ رہے تھے، مولانا حسین احمد مدنی (دیوبندی) نے دہلی کی مسجد میں یہ کہا کہ ”مسلمان اور ہندو ایک قوم ہیں کیونکہ قومیں اَوطان سے بنتی ہیں“ تو علامہ اقبال نے اپنے اشعار میں اس نظریہ کا فوراً رَدّ کیا۔

سرود بر سر منبر کہ ملّت از وطن است   چہ بے خبر ز مقامِ محمدِ عربی است

انہوں نے کہا کہ ملک، وطن، ثقافت، زبان، قومیت کی بنیاد نہیں، بلکہ ملّت عقیدے اور ایمان سے بنتی ہے اور ایمان مقام یا رنگ ونسل کا پابند نہیں ہے۔ (۴۶)

پھر کچھ لوگ حسین احمد دیوبندی کے ہم مسلک کہتے ہیں کہ ڈاکٹر اقبال اور حسین احمد دیوبندی کے مابین آخر وقت میں مفاہمت ہوگئی تھی، یہ بالکل غلط ہے اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ (۴۷) عزیزان گرامی! جب بھارت میں تہلکہ مچ گیا۔ سارے بدمذہب سر جوڑ کر بیٹھ گئے۔ اس نتیجے پر پہنچ گئے کہ انگریز چلا جائے گا لیکن کوشش کرنی چاہیئے کہ انگریز متحدہ ہندوستان رکھے۔ اقتدار کانگریس کو دے کر جائے۔ لیکن ہوا یہ کہ جب یہ تحریک علماءِ اہلسنّت کی بہت عروج پر چلی حتی کہ تمام علماءِ دیوبند کو یہ یقین ہو چلا تھا کہ پاکستان بن جائے گا۔ انہوں نے یہ کیا کہ اپنے دو تین مولوی مسلم لیگ میں چور دروازے سے بھیج دیئے (۴۸)۔ وہ کون تھے؟؟۔ مولوی شبیر احمد عثمانی چور دروازہ سے مسلم لیگ میں آئے، اس کے علاوہ مولوی ظفر احمد انصاری۔ انھوں نے یہ طے کیا کہ اگر پاکستان بن گیا تو ہماری واہ واہ بھی ہوجائے گی کہ علماءِ دیوبند بھی تحریک آزادی میں شامل ہیں۔ اور اگر پاکستان نہیں بنا تو ہم تو ہیں ہی ہندوستانی۔ (۴۹)

جب تحریک چلی تو دیوبندی مولوی مفتی محمود احراری احرار کا لیڈر، حبیب الرحمٰن لدھیانوی کیا کہتے؟۔ پوچھو آج مولوی فضل الرحمٰن سے جو جمعیت علمائے اسلام کے قائد ہیں پوچھو کیا تمہارے ابا کے قائد نے یہ بیان دیا یا نہیں، اس نے یہ کہا:

"دس ہزار جناح، شوکت اور ظفر، نہرو کی جوتی کی نوک پر قربان کئے جاسکتے ہیں" (۵۰) حراری مفتی محمود کے ٹولے نے یہ کہا یہ پاکستان نہیں پلیدستان" ہے۔ یہ "قائداعظم" نہیں "کافراعظم" ہے۔ بتاؤ یہ کس نے کہا (۵۱) ور یہ بات تو میرے نوجوان ساتھیوں کو شاید معلوم نہ ہو کہ ان کو تاریخ غلط پڑھائی گئی ہے کیونکہ بڑی چالاکی سے بدمذہب لوگوں نے حکومت کی خاطر مدارت کر کے اپنے پیشواؤں کے نام نصاب کی کتابوں میں داخل کر دیئے (۵۲) اور علماء ومجاہدینِ اہلسنّت کے کارناموں کا ذکر ہی نہیں کیا (۵۳) اور پاکستان کی تاریخ کو مسخ کر کے نوجوانوں کو پڑھایا گیا۔ ایک بات یہ بھی تھی جو قومی اسمبلی کے ریکارڈ میں بھی موجود ہے کہ جب ذوالفقار علی بھٹو وزیراعظم تھے، جمعیت علمائے اسلام (فضل الرحمٰن گروپ) کے قائد کے والد مفتی محمود نے قومی اسمبلی کے فلور پر یہ بیان دیا:

"اللہ کا شکر ہے ہم پاکستان بنانے کے گناہ میں شریک نہیں ہیں"۔

(۵۴) غور کریں! "جمعیت علمائے اسلام" کا قائد یہ کہہ رہا ہے کہ ہم پاکستان بنانے کے گناہ میں شریک نہیں ہیں۔ پاکستان بننے کے بعد وہ اس ملک سے کس طرح وفادار ہو سکتے تھے کہ پاکستان بننے کے بعد بھی کہتے ہیں کہ ہم اس کے بنانے کے گناہ میں شریک نہیں، دوسری طرف احرار کا مشہور مولوی، وہابیوں کا بہت بڑا سرخیل عطاءاللہ شاہ بخاری وہ تو ہندوؤں کے اتنا قریب ہو گیا کہ جس کی انتہا نہیں کہ خود ان کہ ہم مشرب، ہم مسلک ظفر علی خان نے جب عطاءاللہ شاہ بخاری کو دیکھا کہ اتنا بڑا احرار کا مولوی ہے اور نہرو کی دھوتی سے چمٹ گیا ہے رات دیکھو اس کے پاس۔ دن دیکھو اس کے پاس، اسٹیج پر دیکھو اس کے پاس تو اس نے اپنے اخبار "چمنستان" (غالباً 1949 کا چھپا ہوا اس کی نقل ہمارے پاس موجود ہے) بڑا عمدہ مصرعہ کہا:

نہرو جو بنے دولھا تو دلھن مجلس احرار
ہو پیر بخاری کو مبارک یہ عروسی

یعنی عطاءاللہ شاہ بخاری تم کو یہ عروسی مبارک ہو، نہرو کو بناؤ دولھا اور دلھن بناؤ مجلس احرار۔ آپ غور کریں کہ سارے کے سارے بدمذہب کانگریس میں لگ گئے اور جب مودودی کی روح قرارداد پاکستان کو دیکھ کر ماتم کر رہی تھی، اور وہ پاکستان کو "ناپاکستان" کہہ رہا تھا، دیوبندی مولوی اسے "پلیدستان" اور "خاکستان" اور خونخوار سانپ کہہ رہے تھے، مسلم لیگ کی قیادت کو سپیرا کہا جا رہا تھا اور مسلم لیگ کی حمایت کرنے والوں کو سؤر اور سؤر کھانے والے بتایا جا رہا تھا، جب یہ لوگ بانی پاکستان کو "کافراعظم" (۵۵) کے نام سے یاد کر رہے تھے، اس وقت مشائخ وعلمائے اہلسنّت ایک جگہ جمع ہو گئے اور پاکستان کی آزادی میں بھرپور حصہ لیا جب کہ آج یہ دندناتے گھوم رہے ہیں کہ پاکستان ہم نے بنایا۔

جب پاکستان کی تحریک چلی تو بانی پاکستان نے پوری دنیا میں پاکستان کو متعارف کرانے کے لئے کس کو بھیجا؟؟ حضرت مولانا عبدالحامد بدایونی علیہ الرحمۃ (۵۶) کو بھیجا۔ دوسرے حضرت علامہ مولانا شاہ عبدالعلیم صدیقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (خلیفہء اعلیحضرت) یہ دونوں پاکستان سے باہر گئے۔ خصوصاً مولانا عبدالعلیم صدیقی علیہ الرحمہ نے عرب کا دورہ کیا اور بے شمار بیرونی ممالک کا دَورہ کیا۔ یہ سارا دَورہ کرنے کے بعد لوگوں کو متعارف کرایا کہ پاکستان کیا ہے؟؟ مسلمان پاکستان کو کس لئے بنانا چاہتے ہیں؟؟ (۵۷) اس کے بعد میں اخبار شاہد ہیں کہ جناح صاحب نے شکریہ ادا کیا اور ان کو تحریکِ پاکستان کی خدمات میں "سفیرِ اسلام" کا لقب دیا (۵۸) اور کہا کہ مولانا عبدالعلیم صاحب آپ کو جو ذمہ داری دی گئی آپ نے اس کو کما حقہ انجام دیا۔ اس کا حق ادا کیا میں پوچھتا ہوں یہ کون لوگ تھے؟؟ یہ سب سُنّی تھے۔ 1946ء میں پاکستان بننے سے ایک سال پہلے بنارس میں "سُنّی کانفرنس" ہوئی، پانچ ہزار علماء کرام ومشائخ عظام وہاں موجود تھے بعض کے بقول پانچ سو مشائخ اور سات ہزار علماء وہاں موجود تھے (۵۹)۔ صف اول میں کون تھا؟ ایک بھی وہابی دیوبندی، شیعہ (۶۰) یا قادیانی نہیں تھا۔ حضرت علامہ عبدالعلیم صدیقی میرٹھی علیہ الرحمہ، امیرملت حضرت علامہ مولانا پیر سید جماعت علی شاہ محدِّث علی پوری علیہ الرحمہ، حضرت علامہ سید محمد محدث کچھوچھوی علیہ الرحمہ، حضرت علامہ ابوالبرکات صاحب علیہ الرحمہ (۶۱)، حضرت علامہ ابوالحسنات علیہ الرحمہ (۶۲)، حضرت علامہ پیر خواجہ قمرالدین سیالوی علیہ الرحمہ (۶۳)، حضرت علامہ عبدالحامد بدایونی علیہ الرحمہ۔ کیا ان میں کوئی وہابی آپ کو نظر آتا ہے؟ صدرالافاضل بدرالمماثل حضرت علامہ مولانا سید محمد نعیم الدین مرادآبادی علیہ الرحمہ (۶۴)، حُجۃ الاسلام علامہ مولانا حامد رضا خان صاحب علیہ الرحمہ (۶۵)، مفتی اعظم ہند مولانا مصطفیٰ رضا خان علیہ الرحمہ (۶۶)، صدرالشریعہ بدرالطریقہ مولانا امجد علی اعظمی علیہ الرحمہ (۶۷)، یہ سارے صفِ اوّل کے علماء تھے۔ انہوں نے پاکستان بنایا علامہ عبدالسلام جبل پوری علیہ الرحمہ، مفتی برہان الحق جبل پوری علیہ الرحمہ (۶۸) کتنے نام گنے جائیں مفتی ظفر علی نعمانی علیہ الرحمہ، پیر صاحب بھرچونڈوی علیہ الرحمہ، (۶۹) مفتی اعظم سرحد مفتی شائستہ گل علیہ الرحمہ (۷۰)، علامہ عبدالمصطفیٰ ازہری، حضرت پیر آف مانکی شریف (۷۱)، شیخ القرآن مولانا عبدالغفور ہزاروی (۷۲)، پیر صاحب زکوڑی شریف (۷۳)، حضرت مولانا

عبدالستار نیازی (۷۴) رحمہم اللہ اجمعین۔ غرض کہ پانچ ہزار علماء و مشائخ (ایک روایت کے مطابق پانچ سو مشائخ اور سات ہزار علماء) (۷۵) کی موجودگی میں قرارداد پیش کی گئی کہ مسلم لیگ اور محمد علی جناح اگر قیام پاکستان کے فیصلے سے دستبردار بھی ہوگئے تو ہم دستبردار نہیں ہونگے ہم اپنی جدوجہد جاری رکھیں گے۔ وہابیوں نے برائے نام اپنے دو تین مولوی بھیج دیئے۔ اور جب پاکستان بنا تو سب آستینیں چڑھا کر باہر آگئے، مولانا مودودی باہر آگئے ہم نے پاکستان بنایا، مفتی محمود بھی میدان میں آگئے ہم نے پاکستان بنایا، سارے وہابی میدان میں آگئے ہم نے پاکستان بنایا۔

حقیقت یہ ہے کہ پاکستان اہلسنّت و جماعت کے مشائخ عظام نے قائم کیا ہے۔ اور اس کا اعتراف مخالفین نے بھی کیا ہے۔ (۷۶) اب کہیئے جماعت اسلامی کے جو لوگ کہتے ہیں ہم نے پاکستان بنایا وہ سُنیں: مودودی صاحب کی اپنی کتاب ''تحریک آزادیٔ ہند'' میں تحریکِ پاکستان کے متعلق کیا لکھا ہے۔ مودودی صاحب سے پوچھا گیا آپ اس تحریک میں شریک کیوں نہیں ہوتے۔ جواب سنیئے ''آپ حضرات یہ ہرگز گمان نہ کریں کہ میں اس کام میں کسی قسم کے اختلاف کی وجہ سے حصہ نہیں لیتا دراصل میری مجبوری یہ ہے کہ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ حصہ لوں تو کس طرح لوں ادھوری تدبیر میرے ذہن کو بالکل اپیل نہیں کرتی، نہ داغدوزی ہی سے کبھی مجھ کو دلچسپی رہی، اگر کوئی تعمیر پیش نظر ہوئی تو میں دل و جان سے ہر خدمت انجام دینے میں عملاً کوئی خدمت انجام دینے کے بجائے خود طالب علم کی طرح دیکھتا ہوں سوچنے والا اس جزوی اصلاح اور تعمیر کی کیا صورتیں نکالتے ہیں'' کیا مطلب ہوا کہ یہ جو تحریک چل رہی ہے میں صرف ایک طالب علم کی حیثیت سے دیکھنا چاہتا ہوں کہ کیا نتیجہ نکلتا ہے؟؟۔

پاکستان کے مشہور مؤرّخ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی جو وزیر تعلیم بھی رہے اور کراچی یونیورسٹی کے وائس چانسلر بھی (۷۷)۔ وہ اور ان کے علاوہ دیگر مؤرّخین نے کہا کہ جماعت اسلامی اور مودودی صاحب نے تحریکِ پاکستان کی مخالفت کی (۷۸)، میں آپ سے کہتا ہوں کہ یہ سارے دیوبندی وہابی جنہوں نے ایڑی چوٹی کا زور لگا کر پاکستان کی مخالفت کی اس سے بڑی بے شرمی کیا ہوگی کہ جب پاکستان بنا تو سب یہاں آگئے۔ پاکستان کو ''پلیدستان'' کہنے والے یہاں آگئے۔ ''نہرو کی جوتی پر دس ہزار جناح قربان کرنے والے'' یہاں رہ رہے ہیں اور باوجود مخالفت، اب پاکستان کے ٹھیکیدار بن گئے کہ پاکستان ہم نے بنایا ہے، تحریک پاکستان کو ہم نے چلایا ہے۔ (۸۰) اور اب تو جناب جھوٹ اور ڈھٹائی کا عالم یہ ہے اب تو اخبارات میں ان کے مضامین تک بھی آجاتے ہیں کہ تحریکِ پاکستان میں علمائے دیوبند کا کردار۔ مؤرّخ پاکستان علماء دیوبند مثلاً شبیر احمد عثمانی، ظفر احمد عثمانی اور دیگر کے متعلق کہتا ہے:

''ان کی اکثریت پاکستان کے مخالف تھی۔ وہ تو سرے سے دوقومی نظریہ کو مانتی ہی نہیں تھی۔'' (۸۰) اب مجھے بتایئے کہ پاکستان کا بنانے والا کون؟ حقائق سے معلوم ہوا کہ پاکستان کو اہلسنّت نے بنایا (۸۱)۔ علماء اہلسنّت کی کوششوں سے پاکستان بنا (۸۲)۔ ریفرینڈم Refferendum کے وقت علماءِ اہلسنّت کی کاوشوں سے نتیجہ یہ نکلا کانگریس اپنے علاقوں میں صرف 2% ووٹ حاصل کر پائی۔ دوسری طرف سرحد میں حضرت پیر آف مانکی شریف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، حضرت علامہ پیر شائستہ گل رحمۃ اللہ علیہ، پیر صاحب زکوڑی شریف نے بھرپور کام کیا اور یہ تحریک اپنے منطقی نتیجے پر پہنچی۔ اور 13 August رات 12:00 بجے اعلان ہوا کہ یہ ریڈیو پاکستان ہے Radio Pakistan. اور یوں پاکستان بن گیا۔ چودہ اگست انگریزی تاریخ تھی اور کیا آپ جانتے ہیں کہ چاند کی کیا تاریخ تھی؟ اللہ اللہ! جس رات پاکستان بننے کا اعلان ہوا برصغیر میں اس وقت شب قدر منائی جا رہی تھی۔ رمضان کی ۲۷ویں شب تھی اور برصغیر ہندوستان کی تقسیم اس شب میں ہوئی۔ اصل میں شب قدر پاکستان ملنے کی رات ہے، لیکن کیا کیا جائے۔ ہمارے یہاں اچھے بھلے پڑھے لکھے آدمی کو چاند کے بارہ مہینے یاد نہیں۔ کیونکہ سارا نظام انگریزی معاملات کے تحت چل رہا ہے۔ ہمیں صرف 14 اگست ہی یاد رہی۔

اب یہ سوال کہ پاکستان بننے کے بعد بانی پاکستان نے سب سے پہلی نماز عید کہاں ادا کی؟ مسجد قصابان ایم، اے، جناح روڈ جامع کلاتھ مارکیٹ کے سامنے عیدگاہ میں بانی پاکستان نے عید کی نماز پڑھی۔

نماز کس نے پڑھائی؟ کسی دیوبندی نے؟ شبیر احمد عثمانی نے؟ مولانا مودودی نے؟ مفتی محمود نے؟ یہ مولوی فضل الرحمٰن نے؟ نماز عید علامہ عبدالعلیم صدیقی علیہ الرحمہ نے پڑھائی اس کے دستاویز اور فوٹو ہمارے ریکارڈ میں موجود ہیں۔ جناح صاحب، لیاقت علی خان بڑے بڑے قومی لیڈر بیٹھے ہوئے ہیں اور خلیفۂ اعلیٰ حضرت علامہ شاہ عبدالعلیم صدیقی خطبہ فرما رہے ہیں۔ عزیزان گرامی! غور کریں پاکستان بننے کے تین دن کے بعد بھی بانی پاکستان نے نماز عید اہلسنّت کے امام کے پیچھے پڑھی۔ (۸۳) لوگ کہتے ہیں کہ پاکستان بنانا ایک معاشی مسئلہ تھا اسلام کی خاطر پاکستان نہیں بنا (۸۴) جیسا کہ 70ء میں کسی نے اخبار میں یہ بیان دیا کہ جناح صاحب نے پاکستان اس لئے بنایا کہ یہاں سوشلزم Socialism نافذ ہو، کوئی کہتا ہے جناح صاحب سیکولرازم کے حامی تھے۔ (۸۵) یہ ساری باتیں غلط ہیں۔ حقیقت یہ ہے پاکستان مسلمانوں کے لئے بنا۔ اسلامی نفاذ کے لئے بنا، او

رتاریخ گواہ ہے خود جناح صاحب نے بھی بارہا اس عزم کا اعادہ کیا (۸۶) مگر مجھے کہنے دیجئے کہ اس پاکستان میں اسلام کا جتنا مذاق اڑایا گیا کسی اور مذہب کا نہیں اڑایا گیا۔ پاکستان جب بن گیا بننے کے بعد اپنے وعدے کے مطابق یہ مسلم لیگ گورکھ دھندا کرنے والوں کا ٹولہ بن گئی۔ مسلم لیگ نے اپنا وعدہ پورا نہیں کیا کہ پاکستان میں اسلام کا نفاذ ہو (۸۷) اور بڑے بڑے لیڈروں نے کیا کہا؟ وہ یہ کہ پیر آف مانکی شریف، پیر شائستہ گل، پیر سید جماعت علی شاہ، مُحدِّث علی پوری رحمہم اللہ تعالیٰ جب لیڈران کے پاس آئے کہ پوچھیں پاکستان تو بن گیا اسلام کہاں ہے؟ تم تو یہ کہتے تھے کہ پاکستان اسلام کے لئے بنا ہے، اسلامی نظام آئے گا، لیکن اسلامی نظام کہاں ہے؟ لیڈروں نے جواب دیا:

’’مولانا اسمبلی موجود ہے، اسمبلی جو پاس کرے گی وہی نظام بنے گا‘‘۔

ہمیں بے وقوف بنایا گیا کہ اسلامی نظام ہوگا، لوگوں کو اسلامی نفاذ کی خاطر کٹوا دیا گیا۔ ایک دو نہیں بلکہ عزیزان گرامی پاکستان بننے پر 30 لاکھ جانیں ضائع ہوئیں کیا اس کا ثمر یہ ہے کہ یہاں اسلام کا مذاق اڑایا جائے؟ میں آپ سے پوچھتا ہوں یہ بتایئے کہ یہاں ایک گھنٹے کے لئے بھی اسلامی قانون آیا؟ نہیں آیا۔ صدر ایوب رہے، اسلام آیا؟ نہیں آیا۔ سکندر مرزا رہے اسلام آیا؟ نہیں آیا۔ صدر ایوب صاحب کو جب لوگوں نے کہا ’’ایوب کتا ہائے ہائے، ایوب کتا ہائے ہائے‘‘ تو ایوب صاحب نے اپنا اقتدار چھوڑ کر دنیا کے بدترین پاگل کے ہاتھ میں اقتدار دے دیا۔ اس بیوقوف کا نام تھا جنرل یحییٰ۔ بقول شاعر

نام محمود ہے اور کام ہیں آزر جیسے

اس کی یہ مثال تھی۔ یوں کہئے کہ ایوب خان نے اپنی قوم سے بدلہ لیا۔ جب اقتدار یحییٰ خان کے حوالے کیا تو اتنا بڑا مشرقی پاکستان جو اسلام کے نام پر بچ سکتا تھا نہیں بچا، لیڈروں نے اسلام کے نام پر گفتگو نہیں کی۔ عصبیت پھیل گئی۔ قسم خدا کہ وہ قتل عام ہوا کہ پاکستان بنتے وقت اتنا قتل عام نہیں ہوا جتنا قتل عام بنگالیوں کا بنگلہ دیش میں ہوا اور یقیناً ان پر بے انتہاء ظلم کئے گئے۔ پیپلز پارٹی کے گورنر پنجاب ٹکہ خان وہ کہتے تھے کہ بنگال میں ہمیں آدمی نہیں زمین چاہیئے۔ نہ آدمی رہا نہ زمین رہی۔ آپ نے دیکھا نہ وہاں پاکستانی رہا نہ وہ زمین رہی۔ اس فوجی ایکشن کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب اسلام سے غداری کی تو جیالے اور جوانمرد 93,000 ترانوے ہزار فوج ہندوؤں کے شکنجے میں آ گئی۔ ہندو جسے خدا کہے یعنی گائے اسے تو ہم کھا جائیں تو ہندو کا کیا حال کریں گے؟ لیکن اسلام کی دوری نے ہمیں یہ دکھا دیا کہ 93,000 فوج ہندوؤں کے نرغے میں آ گئی اور انہیں قید کر دیا گیا اور مشرقی پاکستان دیکھتے ہی دیکھتے ہاتھ سے نکل گیا۔

پاکستان کٹنے کے بعد کیا ہم نے اپنی حالت سدھاری؟ نہیں نہیں!! بلکہ ہم اپنا قیاس کرتے ہیں کہ جس وقت مشرقی پاکستان گیا اور یحییٰ خان جب قوم سے خطاب کر رہے تھے کیا وہ تقریر آپ نے سنی؟ وہ شراب کے نشہ میں دھت تھا اور کہتا تھا کہ ایک بارڈر Border سے ہٹنے کا نام یہ نہیں کہ ہم نے جنگ ہار لی۔ نشے میں اس سے بولا نہیں جا رہا تھا بلکہ بکرے کی طرح چیخ رہا تھا ’’جنگ جاری ہے، جنگ جاری ہے‘‘ جس طرح بکرے کا گلہ پکڑا جائے تو جیسے وہ ٹیں ٹیں کرتا ہے ہمارا پاکستان کا صدر شراب کے نشہ میں دھت پورے بنگال کے سقوط کا اعلان کر رہا تھا۔ اور کوئی شخص اسے شرم اور غیرت دلانے پر آمادہ نہ تھا۔ مجھے بتاؤ یہ کس کے ثمرات ہیں کہ ہم نے اسلام کو چھوڑ دیا تو یہ ساری چیزیں ہمارے حصہ میں آ گئیں۔

اب کان کھول کر سن لو! تمہارے گھروں میں VCR چلتا رہا، انڈین فلمیں چلتی رہیں، بلو پرنٹ کی دکانیں اسی طرح مرقع اور مسجع رہیں بے ایمانی کا رواج اسی طرح رہا۔ رشوت کا رواج اسی طرح رہا۔ دین کو اسی طرح پامال کیا گیا۔ شریعت کو اسی طرح پس پشت ڈال دیا گیا۔ حق اور صداقت مفقود ہو کر رہ جائے۔ ایمان داری، دیانت داری، اپنا سر پکڑ کر رہ جائے۔ لیڈروں کو سوائے اپنے مفاد کے کوئی اور فکر نہ ہو۔ لیڈروں کو اسلام سے زیادہ اپنی کرسی کی فکر ہو جائے۔ اور اسلام نافذ کرنے کی حکمت عملی ہی کی تلاش رہے۔ اب انتظار کرو کہ رب کا عذاب کب آتا ہے؟ اب انتظار کرو پاکستان کب ٹوٹتا ہے۔ اب انتظار کرو کہ پاکستان کیسے جائے گا؟۔ آپ پولیٹیکل برانچ، CIA، پولیس افسران سے معلومات کر لیں کہ کیا اس مملکت میں بانی پاکستان کے مزار کے سامنے کیا پاکستان کا جھنڈا نہیں جلایا گیا؟ سکھر ایئرپورٹ پر کیا پاکستان کے جھنڈے کو آگ نہیں لگائی گئی؟ کیا پاکستان کے جھنڈے کو پیروں تلے روندا نہیں گیا؟ کیا اس پاکستان میں پاکستان مردہ آباد کے نعرے نہیں لگے؟ کیا سندھ کو الگ کرنے کا نعرہ نہیں لگا؟ ہندوستان کا وہ حصہ جو پاکستان سے ملا ہوا ہے کیا وہاں بھارتی سکہ نہیں چل رہا؟ کیا ہندو جو اپنی جائیداد چھوڑ کر گئے کیا وہ سندھ کے راستے پاکستان داخل نہیں ہو رہے؟

اس ملک میں جو وزیر اعظم یا صدر کے عہدے پر رہے ان سے پوچھو تم نے اسلام کی خدمت کیا کی؟ ایک دَور میں جب شریعت بل کا نفاذ ہوا تو کون سی انقلابی تبدیلی پاکستان میں آ گئی؟ کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ معلوم ہوا کہ دین اور شریعت کے ساتھ ایک ٹھٹھہ اور تمسخر ہو رہا ہے۔ سنو! ہم

علماء اس بات کے متمنی ہیں کہ ہم اقتدار کی کرسی پر صرف نظام مصطفی ﷺ کو دیکھنا چاہتے ہیں۔ مسلم لیگ کا یہ دعوی ہے کہ اس نے پاکستان بنایا ہے، اگر آپ نے پاکستان بنایا تو یہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو آخری موقع دیا ہے۔ خدا کے واسطے! اس مملکت میں اسلام کا نفاذ کرو۔ خدا کے لئے شریعت محمدی یہاں لے آؤ۔ خدا کے لئے جو وعدہ قوم سے کیا ہے۔ اس کو پورا کرو ورنہ اللہ کی لاٹھی بے آواز ہے اور کہیں ملک کا حال وہ نہ بن جائے جو اکبر الہ آبادی نے کہا کہ:

رقیبوں نے رپٹ لکھوائی ہے جا جا کے تھانے میں
اکبر نام لیتا ہے خدا کا اس زمانہ میں

اگر یہی معاملہ عروج پر پہنچے تو لوگ کہیں گے کہ تھانیدار صاحب! ایف، آئی، آر درج کرانی ہے۔ ایف، آئی، آر یہ ہے کہ یہ ہیں وہ تین محلّے کے آدمی جو مسجد میں جا کر نماز پڑھتے ہیں، اب تو اللہ کو یاد کرنے والے کی رپٹ درج ہوگی۔ میں عرض یہ کر رہا تھا کہ حقیقت یہ ہے کہ پاکستان اسلام کے نفاذ کے لئے بنا۔ لیکن ہم نے، ہمارے لیڈروں نے اس سے غداری کی ہے۔ اگر اس کو بچانا چاہتے ہو تو اس کا واحد حل یہ ہے کہ یہاں نظام مصطفیٰ ﷺ کا نفاذ ہو، حکمرانوں کی نیتیں صحیح ہوں۔ ارباب حل وعقد خلوص کے ساتھ اس مملکت کی خدمت کریں اور ہمارا ملک ایسے قانون کا گہوارہ بن جائے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے کہ ”نہر کے کنارے کوئی کتا پیاسا مر گیا تو عمر کو یہ فکر ہے کہ کل اللہ تعالیٰ قیامت میں مجھ سے پوچھے گا کہ عمر تیری حکومت میں کتا پیاسا مر گیا“ اور حکومت کی گرفت لوگوں پر ایسی مضبوط ہو کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حکومت میں ایک ناتواں کمزور عورت سونے کا ڈیلا ہاتھ میں اچھالتی ہوئی حضرت عمر کی حکومت میں حکومت کے ایک سرے سے حکومت کے دوسرے سرے تک چلی جائے تو اس کے ہاتھ کو پکڑنے والا کوئی نہ تھا۔ ایسا قانون کا دبدبہ ہو تو جناب پھر پاکستان چل سکتا ہے اور اس کے بغیر پاکستان نہیں چل سکتا۔ اور آپ کو بھی خطرے کی گھنٹی بجا رہا ہوں اگر ہم نے اپنی روش تبدیل نہیں کی اور ہماری روش تبدیل کرنے میں حکومت کا کوئی دخل نہیں، مجھے بتایئے کہ ہم حکومت سے تو کہتے ہیں نظام اسلام لاؤ لیکن آپ کو جب حکومت کہے گی تب آپ نماز پڑھیں گے۔ جب حکومت بولے گی تب آپ سچ بولیں گے۔ حکومت کہے گی تب آپ روزہ رکھیں گے۔ جب حکومت کہے گی تب آپ عید کی نماز پڑھیں گے۔ ارے 95 اسلامی دفعات ایسی ہیں جو خود آپ اپنے اوپر نافذ کر سکتے ہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ہمارے حال کی اصلاح فرمائے اور وہ پاکستان جس کا سنگِ بنیاد 30 لاکھ مسلمانوں کی قربانیوں پر رکھا گیا۔ اللہ تعالیٰ اس پاکستان کی حفاظت فرمائے اور اس کو اسلام کا گہوارہ بنائے۔ آمین وما علینا الاّ البلاغ المبین

☆☆☆

۱؎ سلطان ٹیپو کا نام فتح علی ہے، جب کہ والد کا نام حیدر علی ہے، اُن کے والد نے اُن کے نام میں ٹیپو سلطان کا اضافہ ارکاٹ کے ایک بزرگ حضرت ٹیپو مستان ولی سے عقیدت کے باعث کیا، بیشتر مؤرّخین کے خیال کے مطابق آپ کی تاریخ پیدائش ۱۳ صفر المظفر ۱۱۶۵ھ (۳۱ دسمبر ۱۷۵۱ء) ہے۔ عالم اسلام کے اس عظیم جرنیل کی پیدائش بنگلور سے تقریباً ۲۲ میل دُور ایک قصبے دیون ہلی میں ہوئی، حیدر علی نے اپنے فرزند کی تعلیم و تربیت کا بہترین انتظام کیا، ننھے ٹیپو کو قرآن کریم، فقہ، عربی، فارسی، فرانسیسی، انگریزی اور مقامی زبان کی تعلیم دی گئی۔ دینی اور دنیاوی تعلیم کے ساتھ ساتھ فنونِ حرب کی == تعلیم کا خاص اہتمام کیا گیا، سلطان ٹیپو نے اس عہد میں ہوش سنبھالا جب برصغیر پاک و ہند کی عظیم اسلامی مملکت سیاسی خلفشار کا شکار تھی، اورنگزیب عالمگیر کی وفات کے بعد جگہ جگہ خود مختار ریاستیں وجود میں آچکی تھیں، اس صورت حال سے فائدہ اٹھا کر انگریز ایسٹ انڈیا کمپنی کے بھیس میں اپنا جال پھیلا چکے تھے، ۱۱۷۸ھ (۱۷۶۴ء) میں بنگال سے اودھ تک انگریزوں کی حکومت قائم ہو چکی تھی۔

انگریز حیدر علی کی بڑھتی ہوئی طاقت سے خائف تھے، انگریزوں اور حیدر علی کے مابین پہلی جنگ کا آغاز ۱۱۸۱ء (۱۷۶۷ء) میں ہوا۔ دوسری جنگ ۱۱۹۴ء (۱۷۸۰ء) میں ہوئی، ۳۰ ذوالحجہ ۱۱۹۶ھ (۶ دسمبر ۱۷۸۲ء) کو حیدر علی کا انتقال ہوا۔ ۲۰ محرم الحرام ۱۱۹۷ھ (۲۶ دسمبر ۱۷۸۲ء) کو سلطان ٹیپو کی تخت نشینی عمل میں آئی، انگریزوں نے بدنور کے قلع پر قبضہ کیا تو ٹیپو سلطان شعبان ۱۱۹۷ھ (۱۷۸۳ء) بڑی فوج لے کر بدنور کی سرحد پر پہنچ گئے بالآخر انگریز صلح پر مجبور ہوا، ۱۸ ربیع الثانی ۱۱۹۸ھ (مارچ ۱۷۸۴ء) میں ٹیپو سلطان اور انگریزوں کے مابین معاہدہ ہوا، پھر مرہٹوں اور نظام دکن نے باہم اتفاق کر کے سلطان ٹیپو پر حملہ کرنا چاہا، سمجھانے پر بھی نہ سمجھے، آخر کار جمادی الاولیٰ ۱۲۰۱ھ (فروری ۱۷۸۷ء) میں چند معرکوں کے بعد وہ لوگ صلح نامے پر دستخط کرنے پر رضامند ہوئے۔

انگریز کی توسیع پسندی کی راہ میں اگر کوئی مؤثر قوت حائل تھی تو وہ سلطان ٹیپو کی ریاست میسور تھی، چنانچہ اس نے نظام دکن اور مرہٹوں کے ساتھ مل کر سلطان ٹیپو کے خلاف اتحاد قائم کر لیا، فریقین کے درمیان لڑائی کے تین دَور ہوئے، آخر کار جمادی الاخریٰ ۱۲۰۶ھ (فروری ۱۷۹۲ء) میں سرنگا پٹم کا محاصرہ کر لیا گیا اور صلح نامے پر دستخط ہوئے جس کی رُو سے ٹیپو سلطان کو اپنی نصف مملکت سے دستبردار ہونا پڑا۔

۱۲۱۳ھ (اوائل ۱۷۹۹ء) میں ایک انگریز مذاکرات کر رہا تھا دوسری طرف حملے کی تیاری میں مصروف تھا اور سلطان ٹیپو پر فرانسیسیوں کے ساتھ مل کر انگریزوں کو تباہ کرنے کا الزام لگا دیا، چوبیس گھنٹے کا وقت دیا اور جواب کا انتظار کئے بغیر اعلانِ جنگ کر دیا، اس طرح انگریز جنرل ہیرس نے اکیس ہزار سپاہیوں پر مشتمل فوج کے ساتھ ۹ رمضان المبارک ۱۲۱۳ھ (۱۴ فروری ۱۷۹۹ء) کو میسور کی طرف رُخ کیا اور ۲۸ رمضان (۵ مارچ) کو جنرل ہیرس میسور میں داخل ہوا، ۷ شوال کو بنگلور پر قبضہ کر لیا، ٹیپو سلطان نے انگریزوں کی اس پیش قدمی کے پیش نظر مقابلے کی تیاری شروع کر دی، جنرل ہیرس نے ۱۷ ذیقعدہ ۱۲۱۳ھ (۲۲ اپریل ۱۷۹۹ء) کو سرنگا پٹم کے باہر توپیں نصب کر دیں، گولہ باری شروع ہو گئی، ۳ مئی کو قلعہ کی فصیل میں چھوٹا سا شگاف پڑ گیا، جنرل ہیرس نے فوراً حملے کا فیصلہ کیا، ایسے موقع پر غدّارانِ ملت انگریزوں کے کام آئے، میر صادق نے تنخواہیں دینے کے بہانے ان فوجیوں کو بلا لیا جو قلعے کی فصیل کے شگاف کی حفاظت پر متعین تھے، چنانچہ انگریز فوج بلا تکلف و بلا مزاحمت شگاف کے راستے قلعہ میں داخل ہو گئی البتہ ایک اور سمت سے حملہ کرنے والی انگریز فوج کو شدید مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا کہ ان پر سید غفار کے دستے نے دھاوا بولا تھا۔

سلطان ٹیپو دفاعی انتظامات میں بھرپور طریقے سے مصروف تھے، ۲۹ ذیقعدہ ۱۲۱۳ھ (۴ مئی ۱۷۹۹ء) کو دوپہر کا کھانا سامنے لایا گیا، لقمہ اٹھایا ہی تھا کہ وفادار افسر سید غفار کی شہادت کی خبر ملی، کھانا چھوڑ کر کھڑے ہو گئے اور فرمایا: ''ہم بھی عنقریب جانے والے ہیں''۔ سلطان ٹیپو پیادہ دوڑے اور اپنی منتشر فوج کو مجتمع کرنے کی سرتوڑ کوشش کی لیکن سپاہی اپنی قوت کھو بیٹھے تھے، آخر کار گھوڑے پر سوار ہوئے دروازے کی طرف بڑھے، اُسے میر صادق نے بند کروا دیا تھا تاکہ سلطان ٹیپو باہر نہ جا سکیں، پھر میر صادق یہ کہتے ہوئے نکلا کہ میں کمک لاتا ہوں لیکن سلطان نے اس کی غدّاری کو بھانپ لیا اور تلوار کا وار کر کے اس قابل نفرین شخص کو موت کے گھاٹ اتار دیا، اور خود اس دروازے کی طرف بڑھے جہاں سے قلعہ کے اندرونی حصے کو راستہ جاتا تھا، گزرنے کی کوشش میں تین بار زخمی ہوئے گھوڑے نے زخمی ہو کر دم توڑ دیا اور اب بھی وہ مردانہ وار لڑتے رہے اور شدید زخمی ہونے کے باوجود مردانہ وار لڑے اور شہادت پائی۔ ملخصاً (شیر کی ایک دن کی زندگی از حکیم چغتائی، اردو ڈائجسٹ، آزادی نمبر، اگست ۲۰۰۲ء، ص ۸۰ ۔ ۸۶)

۲؎ بطلِ حریّت، مجاہد ملت، میر کاروان جنگِ آزادی علامہ فضل حق خیر آبادی عمری حنفی ماتریدی چشتی ۱۲۱۲ھ بمطابق ۱۷۹۷ء میں اپنے آبائی وطن خیر البلاد خیر آباد میں پیدا ہوئے، آپ کے والد ماجد مولانا فضل امام خیر آبادی علماءِ عصر میں ممتاز اور علوم عقلیہ کے اعلیٰ درجہ پر سرفراز

تھے، حضرت علامہ کے دادا حضرت مولانا راشد ہرگام پور سے خیر آباد تشریف لا کر سکونت پذیر ہوئے تھے۔ (سیرت علامہ فضل حق خیر آبادی، ماخوذ از خون کے آنسو، ص ۶، تذکرہ علماء ہند، ص ۱۶۴)

تمام علوم عقلیہ ونقلیہ اپنے والد حضرت فضل امام خیر آبادی سے حاصل کئے اور حدیث شریف محدِّث شہیر شاہ عبدالقادر محدّث دہلوی سے دہلی میں حاصل کی (مقدمۃ الیواقیت المہر یہ، ص ۴)، چنانچہ حضرت علامہ نے ۱۲۲۵ھ بمطابق ۱۸۰۹ء تیرہ سال کی عمر میں تمام مروجہ علوم عقلیہ ونقلیہ کی تکمیل کی اور چار ماہ کچھ روز میں قرآن شریف حفظ کیا۔ (سیرت علامہ فضل حق خیر آبادی، ص ۱۲۔ مقدمۃ الیواقیت المہر یہ، ص ۴)

علامہ مشتاق احمد نظامی لکھتے ہیں: مولانا فضل حق نے آنکھ کھولی تو گردوپیش علم وفضل، عمارت وریاست کو جلوہ گر دیکھا...... جس وقت علامہ فضل خیر آباد سے دہلی پہنچے تو ایک سے بڑھ کر ایک باکمال نظر آئے، مُفسّرین، محدِّثین، فقہاء، فلاسفہ، اولیاء، شعراء...... جس طبقے پر نظر ڈالئے تو سب ہی موجود تھے، آپ کے والد ماجد مکان کے علاوہ ہاتھی اور پالکی پر بھی دربار جاتے وقت ساتھ بٹھا کر درس دیتے تھے، اور صغرسنی ہی سے معقولات میں اپنے جیسا یگانہ روزگار بنالیا تھا اور منقولات کی تحصیل کے لئے شاہ عبدالقادر مُحدِّث رحمۃ اللہ علیہ، شاہ عبدالعزیز مُحدِّث رحمۃ اللہ علیہ کی درس گاہ تک پہنچا دیا۔ (سیرت علامہ فضل حق خیر آبادی، ص ۱۲)۔ حضرت کے علمی مقام اور ان کی علمی جلالت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ آپ اپنے معاصرین میں بے نظیر اور حد درجہ ممتاز تھے۔ آپ تقدیسِ الٰہی جلّ وعلا اور ناموسِ رسالت علیہ التحیۃ والثناء کے محافظ اور اسلام اور اہلِ اسلام کے خیر خواہ اور اہلسنّت کے ان علماء میں سے تھے جن کا نام ''تاریخ ہند'' میں ہمیشہ سنہری حرفوں سے لکھا جائے گا۔

اور آپ کو انگریزوں نے (فتویٰ جہاد اور اہلِ ہند کو انگریز کے خلاف جہاد کے لئے تیار کرنے کے جُرم میں) فسادِ ہند کے زمانے میں جزیرۂ رنگون (یعنی جزیرہ انڈمان جسے کالا پانی کہا جاتا تھا) میں قید کر دیا، وہیں ۱۲ صفر المظفر ۱۲۷۸ھ بمطابق ۱۸۶۱ء کو آپ کا وصال ہوا۔ (تذکرہ علماء ہند فارسی، مصنفہ مولوی رحمان علی، ص ۱۶۵)

۳؎ بہادر شاہ ظفر آخری مغل تاجدار ۱۷۷۵ء میں پیدا ہوئے اور ۸۷ سال کی عمر میں ۱۸۶۲ء میں جزیرہ رنگوں میں جلاوطنی کی حالت میں انتقال کر گئے، ان کے دورِ حکومت کے آخری ایام میں انگریز شاہی خاندان کو حقِ جانشینی سے محروم کر کے مغلیہ دَورِ حکومت کے خاتمہ کے خواہاں تھے، بہادر شاہ ظفر اس پر راضی نہ ہونے کے باوجود کچھ کرنے سے قاصر تھے، اسی دوران جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء کا آغاز ہوا اور بادشاہ گرفتار ہوئے اور جہاں تک بادشاہ سے علامہ کی ملاقات کا تعلق ہے تو منشی جیون لال کا ''روزنامچہ'' ۱۶/ اگست، ۲ ستمبر، ۶ ستمبر اور ۷ ستمبر ۱۸۵۷ء کو ملاقات ثابت کرتا ہے (دیکھئے غدر کی صبح وشام، ''روزنامچہ منشی جیون لال''، ص ۲۱۷، ۲۴۰، ۲۴۶، ۲۴۷) اور علامہ عبدالحکیم شرف قادری اس کے تحت لکھتے ہیں: اس ''روزنامچہ'' سے علامہ کی باخبری اور انقلابی سرگرمیوں کا اندازہ ہوتا ہے، اور علامہ نے موجودہ صورت حال کے متعلق بادشاہ سے گفتگو کی۔ (باغی ہندوستان ترجمۃ الثورۃ الہندیہ، حرف آغاز، ص ۱۴۱، مطبوعہ: المتاز پبلی کیشنز، لاہور)

۴؎ علامہ مشتاق احمد نظامی نے اسے اِن الفاظ میں بیان کیا کہ ''آخر علامہ فضل حق نے ترکش سے آخری تیر نکالا، بعد نمازِ جمعہ جامع مسجد میں علماء کے سامنے تقریر کی اور استفتاء پیش کیا، مفتی صدرالدین خان، مولوی عبدالقادر، قاضی فیض اللہ، مولانا فیض احمد بدایونی، وزیر خان اکبر آبادی، سید مبارک حسین رامپوری نے دستخط کر دیئے''۔ (سیرت فضل حق خیر آبادی، ص ۲۳) ۵؎ مولانا غلام مہر علی ''ننھا مجاہد'' کے عنوان سے لکھتے ہیں: ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے زمانہ میں امام اہلسنّت حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہٗ کی عمر صرف ایک سال تھی۔

ایک دن ایسا بھی اتفاق ہوا کہ کسی مجاہد نے مولانا نقی علی خاں سے لے کر امام اہلسنّت کو لے کر گود میں بٹھا لیا اور آپ کی تلوار آپ کے گلے میں لٹکا کر کندھے پر اٹھا لیا اور پکار پکار کر کہنے لگا یہ ننھا پٹھان مجاہد بھی اسلام پر قربان ہونے کے لئے تیار ہے، آپ کے والد ماجد مولانا نقی علی خاں کی آنکھوں میں آنسو آ گئے، فرمانے لگے کاش کہ اس ناچیز کی کمائی آج اسلام کے کام آ جاتی، آپ کے دادا مولانا رضا علی خاں جو مجاہدین کو ضروری ہدایات دے رہے تھے، نے یہ بات سُن لی، فرمانے لگے بیٹا غم مت کرو، تمہارا یہ بیٹا مرتدینِ اسلام، گستاخانِ انبیاء واولیاء کے لئے تلوار بے نیام ہوگا اور اس سے ربّ العزت وہ کارِ عظیم لے گا جو اس صدی میں بڑے بڑے غازیوں سے نہیں ہو سکے گا، اس فرزند جلیل کی ساری خدمت اسلام کے لئے وقف اور تائیدِ اسلام کے لئے نثار ہوں گی۔ (دیوبندی مذہب، ص ۱۷)

۶؎ مولانا غلام مہر علی لکھتے ہیں: جب روہیلکھنڈ بریلی کے اکناف میں انگریزی اقتدار بڑھنے لگا تو جنرل بخت خاں نے مجاہد جلیل مفتی عنایت احمد کو مجاہدین کی ترتیب کے لئے بریلی بھیجا اور انہیں ہدایت کی گئی کہ مولانا رضا علی خاں کی ہدایات سے مکمل استفادہ کیا جائے، مولانا نے اپنا مال ومنال تمام مجاہدین پر صرف کر دیا، مفتی صاحب نے آپ کے پاس ہی رہ کر میدانِ کارزار کے منصوبے بنا کر انگریزوں کو شکستوں پر شکستیں دیں، مولانا رضا علی خاں کے فرزند ارجمند حضرت مولانا نقی علی خاں کی ڈیوٹی مجاہدین کو ہر قسم کا رسد پہنچانے پر لگی ہوئی تھی، آپ کی جامع مسجد میں ہر وقت دیگیں چولہوں پر رہتیں اور مجاہدین کے لئے لنگر عام جاری رہتا تھا۔ (دیوبندی مذہب، ص ۴۱۶)

۷؎ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے شجرۂ طیبہ کو مولانا رضا علی خاں کی مساعی سے حیاتِ جاوداں ملی، جنگ آزادی کے عظیم رہنما وجلیل قائد

مولانا رضا علی خاں نے اس تحریک آزادی میں شب و روز بریلی کے گرد و نواح میں مجاہدین کی ترتیب و ترغیب میں بسر کئے، باوجود ضعیف العمری کے کئی معرکوں میں خود شمشیر بکف ہو کر انگریزوں کے لئے پیغامِ اجل ثابت ہوئے۔

آپ کی ولادت ۱۲۲۴ھ میں ہوئی باوجود رئیس اعظم ہونے کے والد نے علوم عربیہ میں لگا دیا، مولانا خلیل الرحمٰن ٹونکی سے تمام علوم عقلیہ و نقلیہ میں اعلیٰ درجہ کا مقام حاصل کیا، وہ خود اپنے محلّہ میں خود اپنی جامع مسجد میں جماعت کراتے اور ایسی پر تاثیر تقریر فرماتے کہ سینکڑوں لوگ گناہوں سے تائب ہوتے، زہد و تقوے و فقر کا غلبہ ہوا تو تجرید و تفرید کی طرف مائل ہوئے، شب و روز عبادت الٰہیہ میں بسر ہوتے، یہ خاندان ہی اسلام کا شیدائی اور شاہانِ اسلام کا معتمد علیہ قبیلہ تھا، دہلی کے آخری تاجدار بہادر شاہ ظفر پر انگریز غالب ہونے لگے اور انگریزوں کے مقابلے کے لئے جنرل بخت خاں اور شاہ احمد اللہ شاہ نے جہاد کمیٹی بنائی تو دہلی سے مولانا فضل حق خیر آبادی اور کاکورے سے مولانا مفتی عنایت احمد کاکوروی مصنف علم الصیغہ اور بریلی سے مولانا رضا علی خان کو منتخب کیا گیا۔ (دیو بندی مذہب، ص ۴۱۵ـ۴۱۶)

۸ مولانا غلام مہر علی (چشتیاں) لکھتے ہیں: ''۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں اعلیٰ حضرت بریلوی کے دادا مولانا رضا علی خان جنرل بخت خاں کے خصوصی معاون تھے (دیو بندی مذہب، ص ۳۷۷)

۹ علامہ فضل امام خیر آبادی: علامہ فضل امام خیر آبادی ایک نامور عالم اور معقولات میں یگانہ روزگار تھے، وہ خیر آبادی سلسلۂ علماء کے پہلے نامور بزرگ ہیں جو معقولات کی تدریس اور ترویج کے باعث معروف ہوئے۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ: ۱۵/۳۱۳)

دہلی میں ان کی قائم کردہ درسگاہِ معقولات کی ایسی یونیورسٹی تھی جس کی مثال شاید ہی ہندوستان میں کہیں ملے۔ (غالب نام آورم، ص ۱۰۲)

دہلی سے وہ اپنے وطن خیر آباد تشریف لائے، شروع میں عدالت کے مفتی تھے پھر صدر الصدور مقرر ہوئے، ۱۸۲۷ء کے لگ بھگ آپ اس عہدہ سے دستبردار ہو گئے، ملازمت کی مصروفیات کے ساتھ ساتھ درس و تدریس کا سلسلہ بھی جاری رکھا اور تصنیف و تالیف کا سلسلہ بھی جاری رہا، چنانچہ آپ نے متعدد کتب لکھیں، منطق کی مشہور کتاب ''المرقاۃ'' آپ ہی کی تصنیف ہے، اور آپ نے ۵ ذی قعدہ ۱۲۸۸ھ/ ۱۸۲۹ء کو خیر آباد میں انتقال فرمایا۔ (کتاب علامہ محمد فضل حق خیر آبادی، ص ۴۰)

۱۰ مرزا غالب اور ردّ وہابیت: مرزا اسد اللہ غالب علامہ فضل حق خیر آبادی کو اپنا قریبی مخلص اور دوست گردانتے تھے اور اُن سے بے حد متاثر تھے، علامہ اکثر مرزا کے اشعار کی اصلاح فرماتے اور اس طرح غالب کے اخلاق و عادات کی اصلاح کا سہرا بھی علامہ فضل حق کے سر ہے چنانچہ ڈاکٹر محی الدین زور قادری لکھتے ہیں: ''مولانا فضل حق وہ بزرگ ہستی ہیں جس نے غالب کے اخلاق و عادات و شاعری کی اصلاح میں بڑا حصہ لیا، اُن کی بزرگی و عظمت کا اس واقعہ سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ مرزا جیسے خود رائے اور آزاد رو شاعر و ادیب جن کی نظر میں بڑے بڑے شعراء و علماء نہیں جچتے تھے مولانا خیر آبادی کی بڑی تعظیم و عزت کرتے تھے۔ (سرگزشت غالب، ص ۶۲)

علامہ فضل حق خیر آبادی غالب کے مشکل حالات میں اُن کا پورا ساتھ دیتے، مالی مشکلات حل فرماتے، مصائب و آلام کے اس سخت دَور میں اگر کسی نے خلوص دل کے ساتھ مرزا کا ساتھ دیا وہ صرف مولانا فضل حق خیر آبادی کی ذات تھی۔

مرزا غالب کے عقائد وہی تھے جو علامہ فضل حق خیر آبادی کے تھے کیونکہ علامہ نے اخلاق و عادات کی اصلاح کے ساتھ ساتھ مرزا کے عقائد کی اصلاح پر بھی بھرپور توجہ دی تھی، یہی وجہ ہے کہ غالب نے امتناع النظیر کے مسئلہ پر علامہ کا پورا ساتھ دیا اور اس مسئلہ پر ایک مثنوی لکھی چنانچہ مثنویات غالب میں چھٹی مثنوی کا عنوان ہے:

بیان نمو داری شانِ نبوت و ولایت که درحقیقت پر تو نور الانوار حضرت الوہیت ست

اس میں مرزا غالب نے عقائد و نظریات نظم کئے، اور یہ مثنوی ۱۲۸ اشعار پر مشتمل ہے، اس مثنوی کے ایک شعر پر علامہ نے مرزا کو تنبیہ کی اور اصلاح فرمائی، اور مرزا غالب آخری شعر میں مثل محمد ﷺ کے ممتنع بالذات ہونے کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں: ''میں اس عقیدے سے منہ نہیں پھیر سکتا''۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ غالب بھی علامہ فضل حق خیر آبادی کے طرفدار تھے اور امتناعِ نظیر النبی ﷺ بالذات کے معتقد تھے، وہ وہابیہ کے اعتقادات کے خلاف تھے نہ صرف ''تقویۃ الایمان'' کی جسارت پر تنقید کے زمانے میں بلکہ زندگی بھر اِن کے یہی عقائد رہے۔ اس کا ثبوت غالب کی ۱۸۶۵ء میں شائع ہونے والی اس تحریر سے ملتا ہے جو ''عود ہندی'' (مطبوعہ لاہور ۱۹۶۷ء، ص ۳۷۲ تا ۳۷۷) میں محفوظ ہے۔ اس کے مطابق مرزا رحیم بیگ نے اپنی تصنیف ''ساطع برہان'' میں صاحب ''قاطع برہان'' کی توہینِ رسالت پر مبنی گستاخانہ عبارت نقل کی، اس پر غالب نے ان کی بڑی شدت سے گرفت فرمائی، اور جواب دیا اور اس جواب میں انہوں نے علامہ فضل حق خیر آبادی کی کتاب ''تحقیق الفتویٰ فی ابطال الطغویٰ'' سے استدلال پیش کیا۔ استدلال پیش کرنے سے قبل مرزا غالب نے جس انداز میں اس کتاب اور صاحبِ کتاب کا مصنف بیان

http://www.rehmanf.net

کیا وہ نہ صرف اس بات کا اعلان کر رہا ہے کہ وہ خود عقائد وہابیہ کے مخالف تھے بلکہ انہوں نے اس حقیقت کی طرف بھی اشارہ کیا کہ اس عہد کے باقی علماء = بھی تحریک وہابیہ کو ناپسند کرتے تھے۔

مرزا غالب لکھتے ہیں: ''سنو فخر الفضلاء ختم العلماء امیر الدولہ مولوی فضل حق رحمۃ اللہ علیہ نے ردّ عقائد وہابیہ میں بزبان فارسی (۱۲۴۰ھ) میں ایک رسالہ لکھا ہے اور اس عہد کے علماء کی اس پر مہریں ہیں، اس رسالے میں مولوی مرقوم لکھتے ہیں کہ...... پس موجب فتوئے علمائے اسلام فقرۂ مذکورہ کا لکھنے والا الکفر میں شداد سے اشد اور کذب میں مسیلمہ کذاب سے سوا ہے، عُقبیٰ میں وہ خالق کا مقہور اور دنیا میں خلق کا مطعون ہوگا۔

(عود ہندی، ص ۳۷۶۔۳۷۷)

معلوم ہوا کہ مرزا غالب کے نظریات وعقائد یہی تھے، ۱۸۲۴ء میں یعنی عہد جوانی میں اور ۱۸۶۵ء یعنی زمانہ پیری میں بھی (علامہ فضل حق خیر آبادی تصنیف سلمہ سیہول، ص ۱۰۹ تا ۱۱۹) لہٰذا غالب ہرگز ہرگز وہابی نہ تھے بلکہ وہ تو وہابیت کے سخت مخالف اور وہابیوں کے دشمن تھے۔

۱۱؎ یہ کتاب حضرت علامہ فضل حق خیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ کے تلمیذ التلمیذ حضرت مولانا سید سلیمان اشرف بہاری رحمۃ اللہ علیہ سابق صدر دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے زیر اہتمام ۱۹۰۸ء میں شائع ہوئی اور حضرت علامہ کے ہاتھ کا لکھا ہوا اصلی مسودہ کتب خانہ حبیب گنج میں موجود ہے، حضرت علامہ مشتاق احمد نظامی علیہ الرحمہ نے اپنی تصنیف ''خون کے آنسو'' میں اسی طرح ذکر کیا ہے۔ اور یہ کتاب فارسی زبان میں ابھی تک اس کا اردو ترجمہ نظر نہیں آیا، سُنا ہے کہ ترجمہ ہو رہا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم اور مرزا اسد اللہ خان غالب نے علامہ کے اس کتاب میں بیان کردہ مؤقف اور اس کے مضمون کو ایک مثنوی میں بیان کیا ہے۔

۱۲؎ ایسٹ انڈیا کمپنی اور باغی علماء از رائے کمال، ص ۲۵

۱۳؎ اسماعیل دہلوی: رئیس المبتدعین مولوی محمد اسماعیل دہلوی متوفی ۱۲۴۶ھ/ ۱۸۳۱ء کا تعلق اگرچہ ایک علمی اور روحانی گھرانہ سے تھا، میری مراد ہے کہ وہ حضرت شاہ ولی اللہ علیہ الرحمہ کے گھرانے کا ایک فرد تھا، موصوف حضرت شاہ ولی اللہ کے پوتے اور حضرت شاہ عبد العزیز مُحدِّث دہلوی کے بھتیجے تھے، مگر لازمی نہیں کہ نیکوں کی اولاد نیک ہی ہو، چنانچہ متحدہ ہندوستان میں فرقہ بازی کا سنگ بنیاد اس نے رکھا۔ موصوف نے اپنے رسوائے زمانہ کتاب ''تقویۃ الایمان'' کے ذریعے خارجیت کی تبلیغ کی اور ساتھ ہی داود ظاہری سے انکارِ تقلید اور معتزلہ کے مزداریہ فرقہ سے امکانِ کذب کا عقیدہ لے کر سب کو ''تقویۃ الایمان'' میں اکٹھا کیا، گویا ''تقویۃ الایمان'' کی اصل بنیاد تو محمد بن عبد الوہاب نجدی کی ''کتاب التوحید'' پر رکھی گئی لیکن اس میں ظاہری المذہب اور اعتزال کی قباحتوں کے لئے بھی پوری پوری گنجائش رکھی گئی، دوسری طرف ''صراط مستقیم'' کتاب کے ذریعے ''رِفض'' کی بھی کُھل کر اشاعت کی۔

برطانوی منصوبے کے تحت موصوف نے مسلمانوں کا رشتہ اکابر سے منقطع کرنے اور فرقہ سازی کے لئے دروازہ کھولنے کی غرض سے تقلید کو شرک اور گیارہ سو سالہ مسلمانوں اور امتِ محمدیہ کو مشرک و جہنمی ٹھہراتے ہوئے صاف صاف مشرک کہہ دیا اور اپنے خاندان کے اکابر کو بھی دوزخ سے بچانے کی پرواہ نہ کرتے ہوئے لکھ دیا: (برطانوی مظالم کی کہانی، ص ۳۱۱)

''میں کیسے جانوں کہ ایک شخص کی تقلید کو لئے رہنا کیونکر حلال ہوگا جب کہ اپنے امام کے مذہب کے خلاف صریح حدیثیں پا سکے، اس پر بھی امام کا قول نہ چھوڑے تو اس میں شرک کا میل ہے''۔ (تنویر العینین، ص ۲۷) اور اس میں یہ بھی لکھا کہ ''ایک امام کی پیروی کہ اس کی بات کی سند پکڑے اگرچہ اس کے خلاف کتاب وسنّت سے ثابت ہو اور انہیں (آیات واحادیث کو) اس قول کی طرف پھیرے، یہ نصرانی ہونے کا میل اور شرک کا حصہ ہے اور تعجب ہے کہ وہ لوگ خود تو اس تقلید سے ڈرتے نہیں بلکہ اس کے چھوڑنے والے کو ڈراتے ہیں''۔

اور مولوی اسماعیل دہلوی کے معتقدین یہ ڈھنڈورا پیٹتے ہیں کہ جب دنیا شرک کے سمندر میں غوطے کھا رہی تھی تو موصوف نے مسلمانوں کو توحید سے آگاہ کیا اور شرک وکفر سے بچایا، لیکن حقیقت بالکل اس کے برعکس ہے نظر آتی ہے۔ جب وہ خارجیت کا علَم لے کر کھڑے ہوئے تو باری تعالیٰ شانہٗ کو کس طرح معاف کر سکتے ہیں، انہوں نے باری تعالیٰ شانہٗ کو جھوٹا بتانے اور منوانے کی خاطر یوں اپنی منطق دانی کا اظہار کیا ''لا نسلّم کہ کذب مذکور محال بمعنی مسطور باشد...... (دیکھئے رسالہ یک روزی، مطبوعہ صدیقیہ پریس، ملتان، ص ۱۷۔۱۸)

موصوف صرف خدا کو جھوٹا ہی نہیں جانتے تھے بلکہ اُسے مجسم مانتے تھے، اُن کا عقیدہ تھا جو شخص خدا کو زمان کو مکان وجہت سے پاک جانتا، اس کی رویت بغیر جہت ومحاذات کے مانتا تو ایسے شخص = = کو بدعت حقیقیہ کا مرتکب یعنی کافر ٹھہراتے تھے۔ (برطانوی مظالم کی کہانی، ص ۳۱۶۔۳۱۷)

چنانچہ اِن اُمور کی توضیح موصوف نے یوں کی ہے ''تنزیہ اُو تعالیٰ از زمان ومکان وجہت واثبات رویت بلا جہت ومحاذات...... ہمہ از قبیل

بدعات حقیقیہ است الخ (دیکھئے محمد اسماعیل دہلوی کی تصنیف ’’ایضاح الحق‘‘ ص ۴۴۔۴۵، مطبوعہ محمدی پریس دیوبند ۱۳۵۶ھ)

اسی طرح مولوی محمد اسماعیل دہلوی کا محبوب ترین مشغلہ توہین و تنقیصِ رسالت تھا، موصوف اس میدان کے ایسے البیلے شہسوار تھے کہ اگلے پچھلے سارے گستاخوں کے کان کُتر لئے، سب سے استادی کا لوہا منوا لیا۔ قرآن کریم سامنے رکھ لیجئے انبیائے کرام کی شان میں منکروں اور گستاخوں نے بے ہودہ کلمات استعمال کئے، انہیں دیکھ لیجئے۔ پھر احادیث نبویہ کے ذخائر اور کُتُبِ سیر و تواریخ سے گستاخوں کے سارے نازیبا کلمات نکال کر اس فہرست میں شامل کر لیجئے۔ اب اس مجموعہ خرافات کا تقویۃ الایمانی مغلظات سے مقابلہ کیجئے، اگر دل میں انبیائے کرام کی عظمت و رِفعت کا تصوّر موجود ہے اور کسی بے دین کے پیچھے لگ کر یہ روحِ ایمان ضائع نہیں کی ہے تو ہر مُنصِف مزاج ذی علم اسی نتیجے پر پہنچے گا کہ ابتدائے آفرینش سے آج تک شانِ رسالت میں جتنے گستاخانہ کلمات استعمال کئے گئے ہیں، ’’مصنّف تقویۃ الایمان‘‘ اُن سب پر سبقت لے گیا ہے۔ (برطانوی مظالم کی کہانی، ص ۳۱۸۔۳۱۹)

یاد رہے کہ ’’تقویۃ الایمان‘‘ کے علماءِ حقّہ نے متعدد ردّ لکھے گئے چنانچہ پروفیسر محمد ایوب قادری لکھتے ہیں: برصغیر میں وہابی افکار و خیالات ’’نجد‘‘ سے آئے ’’کتاب التوحید‘‘، ’’تقویۃ الایمان‘‘ اور اسی قبیل کا وہابی ادب جب اشاعت پذیر ہوا تو ’’تقویۃ الایمان‘‘ کے ردِّ میں سب سے پہلے مولوی عبدالمجید بدایونی نے ’’ہدایت الاسلام‘‘ کتاب لکھی، پھر اُن کے بیٹے مولانا شیخ فضل رسول بدایونی نے ردّ وہابیت میں سب سے پہلے نمایاں حصہ لیا اور اس تحریک کا ردّ بلیغ کیا اس سلسلے میں دو کتابیں ’’سیف الجبار‘‘ اور ’’تصحیح المسائل‘‘ قابل ذکر ہیں، ظاہر ہے کہ وہابی تحریک کے مذہبی اثرات کے ساتھ ساتھ سیاسی اثرات بھی تھے۔ (ماہنامہ ترجمان اہلسنّت کراچی، علماء بدایوں کی سیاسی خدمات کا مختصر جائزہ، اکتوبر نومبر ۱۹۷۸ء، مطابق ذیقعدہ، ذی الحجہ ۱۳۹۸ھ، جلد (۸)، شمارہ (۴)، ص ۸۵) اس کے علاوہ صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین مرادآبادی نے بھی اس کا ردّ بلیغ ’’اطیب البیان فی رد تقویۃ الایمان‘‘ کے نام سے کیا۔

۱۴ اور ان کے نزدیک انگریز کے خلاف جہاد کرنا ہرگز درست نہ تھا اور اپنے اس مؤقف کا ان لوگوں نے بار ہا اعادہ کیا، چنانچہ محمد جعفر تھانیسری نے لکھا ’’یہ بھی صحیح روایت ہے کہ اثنائے قیام کلکتہ میں جب ایک روز مولانا محمد اسماعیل صاحب وعظ فرما رہے تھے، ایک شخص نے مولانا سے یہ فتویٰ پوچھا کہ ’’سرکار انگریزی‘‘ پر جہاد کرنا درست ہے یا نہیں؟ اس کے جواب میں مولانا نے فرمایا کہ ایسی بے رُو ریا اور غیر متعصب سرکار پر کسی طرح بھی جہاد کرنا درست نہیں ہے‘‘۔ (سوانح احمدی، ص ۷۳)

اور مرزا حیرت دہلوی نے اس واقعے کو اپنے لفظوں میں یوں بیان کیا ہے: ’’کلکتہ میں جب مولانا اسماعیل صاحب نے جہاد کا وعظ فرمانا شروع کیا اور سکھوں کے مظالم کی کیفیت پیش کی ہے تو ایک شخص نے دریافت کیا: آپ ’’انگریزوں‘‘ پر جہاد کا فتویٰ کیوں نہیں دیتے؟ آپ نے جواب دیا، اُن پر جہاد کسی طرح واجب نہیں ہے، ایک تو اُن کی رعیّت ہیں، دوسرے ہمارے مذہبی ارکان ادا کرنے میں وہ ذرا بھی دست اندازی نہیں کرتے، ہمیں اُن کی حکومت میں ہر طرح کی آزادی ہے، بلکہ اگر ان پر کوئی (مسلم یا غیر مسلم) حملہ آور ہو تو مسلمانوں کا ’’فرض‘‘ ہے کہ وہ اس سے لڑیں اور اپنی ’’گورنمنٹ‘‘ پر آنچ نہ دیں‘‘۔ (حیاتِ طیبہ، ص ۳۶۴)

اور نیچری فرقہ کے بانی سرسید احمد خان نے اپنے ان لفظوں میں یہ قصہ سپردِ قلم کیا تھا: ’’ایک مرتبہ وہ (مولوی اسماعیل دہلوی) کلکتہ میں سکھوں پر جہاد کا وعظ فرما رہے تھے، اثنائے وعظ کسی شخص نے اُن سے دریافت کیا کہ تم ’’انگریزوں‘‘ پر جہاد کرنے کا وعظ کیوں نہیں کہتے؟ وہ بھی تو کافر ہیں۔ اس کے جواب میں مولوی اسماعیل صاحب نے فرمایا کہ انگریزوں کے عہد میں مسلمانوں کو کچھ اذیّت نہیں ہوتی اور چونکہ ہم انگریزوں کی رعایا ہیں اس لئے ہم پر اپنے مذہب کی رُو سے یہ بات ’’فرض‘‘ ہے کہ انگریزوں پر جہاد کرنے میں ہم کبھی شریک نہ ہوں‘‘۔ (ہنٹر پر ہنٹر، ص ۲۹)

اپنے اکابر کی انگریز دوستی کا داغ مٹانے سے اپنے آپ کو مجبور دیکھ کر امام مذہب مولوی اسماعیل دہلوی کے عاشق زار یعنی مولوی محمد منظور نعمانی سنبھلی کو ان الفاظ میں اعتراف کئے بغیر کوئی راستہ نظر نہ آیا۔ (برطانوی مظالم کی کہانی، مصنفہ عبدالحکیم خان، ص ۱۵۷)

’’مشہور یہ ہے کہ آپ نے انگریزوں سے مخالفت کا کوئی اعلان نہیں کیا، بلکہ کلکتہ یا پٹنہ میں اُن کے ساتھ تعاون کا اظہار کیا اور یہ بھی مشہور ہے کہ انگریزوں نے بعض بعض موقعوں پر آپ کی امداد بھی کی‘‘۔ (ماہنامہ ’’الفرقان‘‘ لکھنؤ، شہید نمبر، ۱۹۵۵ء، ص ۷۶)

مولوی اسماعیل دہلوی پانی پتی نے اس بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے یہ فیصلہ کُن بیان دیا ہے: ’’سرسید نے اس مضمون میں یہ بات بار بار لکھی ہے کہ حضرت سید احمد رائے بریلوی اور شاہ اسماعیل شہید، انگریزی حکومت کے ہرگز ہرگز مخالف نہ تھے، اور نہ ہی انہوں نے کبھی اُن کے خلاف جہاد کا اعلان کیا، سرسید کے اس بیان کی تائید بعد کے متعدد مؤرّخوں نے بھی کی ہے، چنانچہ نواب صدیق حسن نے ’’ترجمانِ وہابیہ‘‘ مطبوعہ امرتسر کے صفحہ ۲۱، ۸۸ پر، نیز ’’سوانح احمدی‘‘ مؤلفہ محمد جعفر تھانیسری میں بیس مقامات پر، اسی طرح حضرت شاہ اسماعیل کی سوانح موسوم ’’حیاتِ طیبہ‘‘ کے صفحہ ۱۸۹، ۲۹۲، ۲۹۴ پر اس خیال کو پیش کیا ہے۔ مگر حال میں بعض اصحاب نے ان حقائق کے برخلاف یہ لکھنا

شروع کر دیا ہے کہ حضرت سید رائے بریلوی اور حضرت شاہ اسماعیل کا اصل مقصد انگریزوں کے خلاف جہاد تھا، لیکن ظاہر ہے کہ ایسے حضرات کا یہ بیان واقعات کے مطابق نہیں، اور نہ اس دعوے کا کوئی واضح ثبوت موجود ہے"۔ (مقالات سرسید، حصہ نہم، ص ۲۰۷)

اور پھر اسماعیل دہلوی اور سید احمد رائے بریلوی کے ہم مشرب اور ہم مسلک لوگ ڈھنڈورا پیٹتے ہیں کہ ان لوگوں نے انگریز کے خلاف جہاد کیا، "سید صاحب کا اصل مقصد چونکہ ہندوستان میں انگریزی تسلّط اور اقتدار کا قلع قمع کرنا تھا" جس کے باعث ہندو اور مسلمان دونوں ہی پریشان تھے اس بنا پر آپ نے اپنے ساتھ ہندوؤں کو دعوت دی اور انہیں صاف صاف بتا دیا کہ آپ کا واحد مقصد ملک سے بدیسی لوگوں کا اقتدار ختم کرنا ہے" جیسا کہ مولوی حسین احمد دیوبندی نے "نقش حیات" (۱۲/۲) میں اسی طرح لکھا ہے اور دیگر تاریخ اور تذکرے لکھنے والے بھی اس جھوٹ کی تقلید کرنے لگ گئے، بہر حال حسین احمد مدنی کا تو اس کے شاگرد نے ہی ردّ کر دیا چنانچہ مولانا عامر عثمانی نے حسین احمد مدنی کی اس بات پر ماہنامہ "تجلّی" دیوبند میں یوں تبصرہ کیا ہے: "کوئی شک نہیں، اگر استاد محترم حضرت مدنی کے ارشاد گرامی کو درست مان لیا جائے تو حضرت اسماعیل کی شہادت محض فسانہ بن جاتی ہے، مادی پریشانیوں کو رفع کرنے کے لئے غیر ملکی حکومت کے خاتمے کی کوشش کرنا ذرا بھی مقدس نصب العین نہیں، اس نصب العین میں کافر و مومن سب یکساں ہیں، اس طرح کی کوشش کے دوران مارا جانا اس شہادت سے بھلا کیا تعلق رکھے گا = جو اسلام کی ایک معزز ترین اور مخصوص اصطلاح ہے، اس طرح کی کوششوں کی نتیجہ میں قید و بند کی مصیبتیں اٹھانا اجر آخرت کا موجب کیوں ہوگا"۔ (زلزلہ، ص ۱۸۶۔۱۸۷) (باغی ہندوستان، ص ۲۳)

اس نام نہاد جہاد میں وہابیہ کے ان پیشواؤں کے کرتوت اور اُن کی ناکامی کے اسباب بیان کرتے ہوئے پروفیسر صاحبزادہ عبد الرسول للّٰہی لکھتے ہیں: "مگر شاہ اسماعیل شہید کی انتہاء پسندی نے اسے سخت نقصان پہنچایا، جس کے تحت دیگر ہر قسم کے غلو کے علاوہ جہاد سے لاتعلق مسلمانوں کو دار الحرب کے غیر مسلم قرار دے کر لوٹا گیا، انہیں قتل کیا گیا، اور اُن کی بیٹیوں سے جبری نکاح کر کے اپنے تصرف میں لایا گیا، ایسے ناروا اقدامات کے خلاف مسلم معاشرہ کا شدید ردّ عمل ہی اس کی ناکامی کا باعث بنا"۔ (تاریخ مشائخ نقشبندیہ، ص ۵۲۴، مطبوعہ: مکتبہ زاویہ، لاہور، ۲۰۰۳ء)

ان کا جہاد نہ انگریز کے خلاف تھا اور نہ ہی ہندوؤں کے خلاف، ان کا جہاد مسلمانوں کے خلاف تھا، چنانچہ ان لوگوں نے کل گیارہ جنگیں لڑیں، ان میں سے نو یا دس صرف سرحد کے اس وقت کے سچے مسلمانوں کے خلاف تھیں چنانچہ علامہ شاہ حسین گردیزی لکھتے ہیں: "سید صاحب اور مجاہدین نے سرحدی مسلمانوں کو کافر و منافق قرار دیا اور سکھوں سے زیادہ خطرناک اور خوفناک سمجھتے ہوئے ان سے جنگیں کیں"۔ (حقائق تحریک بالاکوٹ، ص ۱۳۲)

انگریز سے بھلا یہ جنگ کیوں کرتے کیونکہ اسی کے ایماء پر اور اسی کی اجازت و مدد و تعاون سے یہ سب کچھ کر رہے تھے پھر قوم و ملّت کے ان غداروں کو جنگِ آزادی کا ہیرو قرار دیتے ہوئے تاریخ نویسوں کو خدا سے ڈرنا چاہئے۔

۱۵ عبد الحکیم خان اختر شاہجہاں پوری لکھتے ہیں: آپ ۱۲۴۴ھ/ ۱۸۲۹ء میں پیدا ہوئے، آپ مدرسہ دیوبند کے سرپرستوں اور حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے مریدوں میں سے تھے، وہابیوں کی جماعت میں سے جب شاہ محمد اسحاق دہلوی خلیفۂ شاہ عبد العزیز محدّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے گول مول اور مخصوص خیالات سے اتفاق رکھنے والوں کی جماعت بنی اور دیوبندی مکتبِ فکر کے نام سے روشناس ہوئی، تو اس قافلہ کے مولوی رشید احمد گنگوہی ہی قافلہ سالار قرار پائے، حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے دیگر نامور خلفاء نے گنگوہی صاحب اور اُن کے ہم خیال علمائے دیوبند کا تعاقب کیا، == کہ یہ حضرات اپنے اکابر اور پیر و مرشد کے طریقے کے خلاف جا رہے ہیں۔

جب اس قضیہ کی خبر حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کو ملی تو اپنے متعلقین کو سمجھانے کی غرض سے جن مسائل میں اِن حضرات کا نزاع تھا، اُن کے بارے میں اپنے نظریات و معمولات لکھ کر "فیصلۂ ہفت مسئلہ" کے نام سے موصوف کے پاس اس کی کاپیاں بھیج دیں، گنگوہی صاحب نے اپنے پیر کے فیصلے کی یہ قدر کی کہ اپنے ایک شاگرد (خواجہ حسن نظامی دہلوی) کو اُن تمام کاپیوں کو جلانے کا حکم صادر فرما دیا۔

فقہ حنفی کے پیروکار ہونے کا دعویٰ کرنے کے باوجود موصوف نے اپنے تحکم سے اس میں ایسی تراش خراش فرمائی اور خوارجِ زمانہ کے نظریات داخل کئے کہ ابنائے زمانہ کو ایک پریشان کُن مصیبت میں مبتلا کر دیا، اس کے ساتھ ہی تقدیسِ باری تعالیٰ شانہٗ کو داغدار ٹھہرانے کی غرض سے اِمکانِ کذب کے ناپاک عقیدے کو وقوعِ کذب تک بڑھا دیا، شیطان لعین کو فخرِ دو عالم ﷺ سے بھی اَعلم واَوسع علماً ٹھہرا دیا، اور علمبردارِ خارجیت، امام الوہابیہ مولوی اسماعیل دہلوی کے تمام غیر اسلامی عقائد و نظریات کی کُھل کر تصدیق و تائید کرتے رہے، ان کا وصال ۱۳۲۳ھ/ ۱۹۰۵ء میں ہوا۔ (برطانوی مظالم کی کہانی، باب چہارم، (۱۷) ص ۶۰۔۶۱)

۱۶ اس کے بارے میں عبد الحکیم خان اختر شاہجہاں پوری لکھتے ہیں: ۱۸۵۷ھ کے جنگ آزادی شروع ہو چکی ہے، موصوف (یعنی مولوی رشید احمد گنگوہی) کے ہم خیال علماء نے اپنا ایک جتھا منظم کر لیا ہے، ہتھیار لگا کر باہر پھرتے ہیں، کس سے لڑنے کے لئے پھرتے تھے؟

ہمیں کیا معلوم جب کہ قریباً سوا سو سال پہلے کا واقعہ ہے، آیئے موصوف کے سوانح نگار، اُن کے عاشق زار، مولوی عاشق الٰہی میرٹھی سے پوچھتے ہیں: ’’ایک مرتبہ ایسا بھی اتفاق ہوا کہ حضرت امام ربّانی (مولوی رشید احمد گنگوہی) اپنے رفیق جانی مولانا قاسم العلوم (مولوی محمد قاسم نانوتوی) اور طبیب روحانی، اعلیٰ حضرت حاجی صاحب و نیز حافظ ضامن صاحب کے ہمراہ تھے، اور بندوقچیوں سے مقابلہ ہوگیا، یہ نبرد آزما جتھا اپنی ’’سرکار‘‘ کے مخالف باغیوں کے سامنے سے بھاگنے والا یا ہٹ جانے والا نہیں تھا، اس لئے اٹل پہاڑ کی طرح پیر جما کر ڈٹ گیا اور ’’سرکار‘‘ پر جانثاری کے لئے تیار ہوگیا، اللہ رے شجاعت و جوانمردی کہ جس ہولناک منظر سے شیر کا پتہ پانی اور بہادر سے بہادر کا زہرہ آب ہو جائے، وہاں چند فقیر ہاتھوں میں== تلواریں لئے جمِ غفیر بندوقچیوں کے سامنے ایسے جمے رہے گویا زمین نے پاؤں پکڑ لئے ہیں، چنانچہ آپ (گنگوہی صاحب) پر فرین ہوئیں اور حضرت حافظ ضامن صاحب رحمۃ اللہ علیہ زیر ناف گولی کھا کر شہید بھی ہوئے۔ (تذکرۃ الرشید: ۱/۷۴)

اب معلوم ہوگیا، مولوی عاشق الٰہی میرٹھی نے راز بتا دیا کہ گنگوہی صاحب نے اپنے اکابر اور اپنے پیر سے قلبی رشتہ کیوں توڑ لیا تھا؟ اس لئے کہ ’’برٹش گورنمنٹ‘‘ سے جانثاری و وفاداری کا عہد و پیمان جوڑا گیا تھا۔ (برطانوی مظالم کی کہانی، باب چہارم، ص۷۶۱ـ۷۶۲)

اس مکتبہ فکر کے مؤرخین نے دیوبند اور اس سے متعلقین حضرات کے انگریزوں کے خلاف جہاد کو ثابت کرنے کی ناکام کوششیں کیں، مگر یہ لوگ اس باب میں بھی دستاویزی ثبوت لانے سے قاصر رہے ہیں، اور پھر جھوٹ تو جھوٹ ہوتا ہے جو چُھپتا نہیں ہے، کہیں نہ کہیں، کسی نہ کسی طرح وہ ظاہر ہو ہی جاتا ہے، چنانچہ ایوب قادری صاحب اپنی کتاب جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں مولانا یعقوب صاحب نانوتوی کی کتاب ’’سوانح عمری مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی مطبوعہ دیوبند‘‘ کے حوالہ سے تحریر فرماتے ہیں: ’’چند بار مفسدوں سے نوبت مقابلہ کی آ گئی اللہ رے مولوی صاحب (محمد قاسم نانوتوی) ایسے ثابت قدم تلوار ہاتھ میں اور بندوقچیوں کا مقابلہ۔ ایک بار گولی چل رہی تھی کہ یکایک سر پکڑ کر بیٹھ گئے، جس نے دیکھا جانا گولی لگ گئی، ایک دو بھائی دوڑ پڑے پوچھا کیا معاملہ ہوا، فرمایا سر میں گولی لگی ہے، عمامہ اُتار کر دیکھا تو کہیں گولی کا نشان نہیں ملا اور تعجب یہ کہ خون سے کپڑے تر تھے، انہیں دنوں ایک نے بندوق ماری جس کے شمھے سے ایک مونچھ اور کچھ داڑھی بھی جل گئی اور قدرے کچھ آنکھ کو نقصان پہنچا خدا جانے گولی کہاں گئی‘‘۔ (جنگ آزادی ۱۸۵۷ء، ص۸۲ تا ۸۴، ایوب قادری)

اس کے تحت علامہ خلیل اشرف اعظمی لکھتے ہیں: ’’اب ان حضرات کو کون بتائے کہ شیشے کے محل میں بیٹھ کر پتھر بازی کا شُغل مناسب نہیں ہوتا، یہ روایت بداہۃً درایت کے خلاف ہے، تلوار بمقابلہ بندوق تو خیر شاندار بات ہے مگر تعجب یہ کہ سر میں لگنے والی گولی کہاں گئی حالانکہ ’’مجاہد کبیر‘‘ فرما رہے ہیں کہ گولی سر میں لگی ہے، اور انتہائی حیرت ناک بات یہ ہے کہ سر میں گولی کا نشان تک نہیں ہے اور اس سے بھی خوفناک بات یہ تھی کہ کپڑے خون سے تر بتر تھے، غالباً اس کو کرامت کہتے ہیں؟ یہاں اس= =موقع پر یہ کہا جائے کہ یہ ساری روایت ہی مولانا یعقوب علی صاحب کی کرامت ہے تو شاید کچھ غلط نہ ہوگا، بہرصورت جب مؤرخین فرماتے ہیں کہ ان حضرات نے جہاد فرمایا تو ہمیں کیا انکار ہو سکتا ہے، ضرور جہاد فرمایا ہوگا مگر حریت پسندوں، آزادی کے متوالوں سے اور یہی صحیح ہے‘‘۔ (ہندو پاک کی چند اسلامی تحریکیں، ص۹۴ـ۹۵

۱۷؎ ’’تذکرۃ الرشید‘‘ یہ عاشق الٰہی میرٹھی دیوبندی کی تصنیف ہے جس میں مولوی رشید احمد گنگوہی کے حالات و افکار کو جمع کیا گیا ہے اور ۱۹۰۳ء میں میرٹھ سے شائع ہوئی، اس کے بعد متعدد بار شائع ہوئی ہے۔

۱۸؎ چنانچہ مولوی عاشق الٰہی میرٹھی دیوبندی نے مولوی رشید احمد گنگوہی متوفی ۱۳۲۳ھ/ ۱۹۰۵ء کا ذاتی بیان نقل کیا ہے کہ موصوف کا اپنے بارے میں کا فیصلہ ہے؟: ’’میں (مولوی رشید احمد گنگوہی) جب حقیقت میں ’’سرکار‘‘ (یعنی انگریز) کا فرمانبردار رہوں تو جھوٹے الزام سے میرا بال بیکا نہ ہوگا اور اگر مارا بھی گیا تو ’’سرکار‘‘ مالک ہے، اُسے اختیار ہے جو چاہے کرے‘‘۔ (تذکرۃ الرشید: ۱/۸۰)

مولوی عاشق کے اپنے کلمات یہ ہیں ’’شروع ۱۲۷۶ھ/ ۱۸۵۹ء وہ سال تھا جس میں حضرت امام ربانی مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ پر اپنی سرکار سے باغی ہونے کا الزام لگایا گیا اور مفسدوں میں ہونے کی تہمت باندھی گئی‘‘۔ (تذکرۃ الرشید)

اور اب یہاں محمد میاں کی سُنیے سید محمد میاں ناظم ’’جمعیت علماء ہند‘‘ اپنی کتاب ’’علماء ہند کا شاندار ماضی‘‘ (ص ۲۹۵، جلد چہارم، طبع دہلی) ان واقعات کو نئے انداز میں پیش کرتے ہیں ’’حضرت مولانا گنگوہی وغیرہ پر برطانوی حکومت نے فساد کا الزام لگایا اور ان بزرگوں نے اس سے انکار کر دیا، ان کا انکار بالکل صحیح تھا کیونکہ انہوں نے فساد میں قطعاً حصہ نہیں لیا تھا، البتہ فساد کی صورت ختم ہونے کے بعد جب منظم جہاد کی شکل پیدا ہوئی تو اس جہاد میں ضرور بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، جہاد فساد نہیں ہوتا بلکہ قاطع فساد ہوتا ہے‘‘ ان لوگوں نے جدوجہد آزادی کو فساد سے تعبیر کیا جس میں بڑے بڑے علماء جیسے علامہ فضل حق خیر آبادی، کافی، کاکوروی وغیرہم بے شمار مسلمان عوام نے قربانیاں دیں جسے ۱۸۵۷ء کے جنگِ = آزادی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے یعنی جنگ آزادی ان کے نزدیک فساد تھی اور مندرجہ بالا عبارت سے صاف اقرار ہے کہ انہوں نے اس میں حصہ نہیں لیا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ بالکل مجاہد نہ تھے البتہ ان کے مریدوں نے ان کو مجاہد بنانے کی کوشش ضرور کی ہے یعنی اپنی کُتب میں اسلام کے ان غداروں اور انگریز کے بہی خواہوں، اُن سے وظیفہ پانے والوں کو جنگِ آزادی کا ہیرو بنا کر پیش کر دیا ہے۔

اور عبدالحکیم خان اختر شاہجہاں پوری مزید لکھتے ہیں: ہوسکتا ہے کہ کسی صاحب کو یہ شبہ لاحق ہو جائے کہ ’’تذکرۃ الرشید‘‘ کتاب تاریخی لحاظ سے ناقابل اعتبار ہو یعنی دیوبندی حضرات کے نزدیک اس کے مندرجات مُسلّمہ نہ ہوں یا اسے تاریخی لحاظ سے کوئی اہمیت حاصل نہ ہو، لہٰذا ہم اس کتاب پر اِن حضرات کے مایۂ ناز مؤرّخوں کی مُہر تصدیق ثبت کروا دیتے ہیں۔ (برطانوی مظالم کی کہانی، باب چہارم (۱۷)، ص۷۶۸)

عبدالرشید فرماتے ہیں: ’’میرے کانوں میں مولانا غلام رسول مہر کے بار بار کئے ہوئے یہ الفاظ گونج رہے ہیں کہ ’’تذکرۃ الرشید‘‘ بہت عمدہ کتاب ہے۔ اسے پڑھ کر بڑا دل خوش ہوتا ہے، میں (غلام رسول مہر) نے سالک صاحب (عبدالمجید سالک) اور اپنے کئی دوسرے اصحاب کو یہ کتاب پڑھائی ہے، اس کتاب کو پڑھ کر مولانا رشید احمد گنگوہی کی عظمت دلوں میں پیدا ہوتی ہے‘‘۔ (بیس بڑے مسلمان، (حاشیہ)، ص۱۹۲)

اور مولانا حسن علی میلسی نے اس کتاب کے بارے میں فرمایا کہ ’’تذکرۃ الرشید‘‘ جب چھپا تھا اس وقت ان کا آقا انگریز وہاں موجود تھا، حکومت کا کنٹرول اس کے ہاتھ میں تھا لہٰذا اس وقت انگریزی حکومت کو ’’رحمدل گورنمنٹ‘‘ اور (اس گورنمنٹ سے) بغاوت کرنے اور جنگِ آزادی لڑنے والے مجاہدین کو باغی لکھا ہے اور خود کو سرکارِ انگلشیہ کا فرمانبردار ثابت کیا اور سرکار انگلشیہ کو اپنا ’’مالک ومختار‘‘ سمجھا، ملاحظہ ہو تذکرۃ الرشید، ص۷۳ تا ۸۰، پہلا حصہ

یاد رہے کہ تذکرہ الرشید ۵ فروری ۱۹۰۸ء کا طبع شدہ ہے جب انگریز ہندوستان پر قابض تھا اس وقت انگریز کی قصیدہ خوانی میں ان کا مفاد تھا، اب جب انگریز مردود دفع ہوا اور ملک آزاد ہو گیا تو ان کا فائدہ اس میں ہے کہ انگریز کی تعریف نہ کی جائے، اور دوسروں پر انگریز پرستی کے الزامات لگائے == جائیں، لہٰذا انگریز کے جانے کے بعد ۱۳۷۳ھ میں چھپنے والی ’’سوانح قاسمی‘‘ میں شاملی اور تھانہ بھون کے وہ واقعات تلف کر دیئے گئے کہ جن سے انگریز کی وفاداری اور انگریز پر جانثاری کا ثبوت ملتا تھا، ملاحظہ ہو سوانح قاسمی، جلد۲۔ آج اگر انگریز ہوتا تو سوانح قاسمی میں وہی ہوتا جو تذکرۃ الرشید میں ہے، نئے اور جھوٹے واقعات گھڑنے کی نوبت نہ آتی۔ (برہان صداقت، ص۱۱۲)

۱۹ جنگ آزادی اور اہلحدیث: جب کہ وہابیہ نے انگریز سے وفاداری کا ثبوت دیا، تقریراً تحریراً، قولاً عملاً ہر طرح انگریز کے خلاف جہاد کی مخالفت کی اور اس کے بدلے برٹش گورنمنٹ سے مراعات اور جاگیریں اور نقد رقوم حاصل کیں، چنانچہ اہلِ حدیث کے سرکردہ کے بارے میں ڈاکٹر ایوب قادری ’’تواریخ عجیب‘‘ یعنی ’’کالا پانی‘‘ از منشی محمد جعفر تھانیسری ص: ۸۵، ۸۶ کے حواشی میں لکھتے ہیں: ’’جماعتِ اہلحدیث کے سرکردہ مولوی محمد حسین بٹالوی (۱۲۵۶ھ۔ ۱۳۲۸ھ) نے سرکار انگریزی سے موافقت اور وفاداری کا ثبوت اس طرح دیا کہ جہاد کی منسوخی پر ایک رسالہ ’’الاقتصاد فی مسائل الجہاد‘‘ تصنیف کیا۔ اس کتاب کے ترجمے اردو، انگریزی اور عربی میں ہوئے‘‘ ...... مولوی سعود عالم ندوی لکھتے ہیں: ’’اس کتاب پر (مولوی محمد حسین بٹالوی) انعام سے سرفراز ہوئے ...... نہ صرف یہ ہوا بلکہ دوسرے معاصر علماء مثلاً مولانا فضل حق خیر آبادی (ف ۱۸۶۱ھ۔ ۱۲۷۸ھ) وحاجی امداد اللہ مہاجر مکی (ف ۱۳۱۷ھ) کو سرکار مخالفت کے طعنے بھی دیئے، سعود عالم ندوی دوسری جگہ لکھتے ہیں: ’’معتبر اور ثقہ راویوں کا بیان ہے کہ اس کے معاوضے میں سرکار انگریزی سے انہیں (مولوی محمد حسین بٹالوی کو) جاگیر بھی ملی‘‘۔ جب کہ مولوی صاحب نے خود چار مربع بتائی۔ بحوالہ اشاعۃ السنۃ، ج۱۹، شمارہ: ۹، ص۲۷۷ (حواشی کتاب علامہ فضل حق خیر آبادی، تصنیف سلمہ سیہول، ص۹۳، مطبوعہ: المتاز پبلی کیشنز، لاہور، ۱۴۲۲ھ/ ۲۰۰۱ء)

۲۰ مجاہدِ اعظم مولانا سید کفایت علی کافی: مولانا سید کفایت علی سنی بریلوی اعاظم علماء میں سے فرنگی سامراج سے ٹکرا جانے والی وہ شخصیت تھی کہ مراد آباد کی سرزمین جن کے مقدس خون کو آج تک داد وفا دے رہی ہے، آپ مراد آباد کے معزز ترین سادات کرام کے خاندان میں پیدا ہوئے، علوم عقلیہ ونقلیہ کے جلیل فاضل ہو کر شاعری میں یگانہ مقام حاصل کیا۔ علم حدیث، فقہ، اصول فقہ، منطق، فلسفہ میں یگانہ روزگار تھے، آپ کا نعتیہ کلام غزل کے پیرائے میں ہے، آپ نے قصائد سے گریز کیا کہ ان میں مبالغہ کی آمیزش ہوتی ہے، اعلیٰ حضرت عظیم البرکت مجدّدِ دین وملّت مولانا احمد رضا خان بریلوی رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ مولانا کافی اور حسن میاں کا کلام اول سے آخر تک شریعت مطہرہ کے دائرہ میں ہے، بلکہ مولانا کافی کو اعلیٰ حضرت سلطانِ نعت فرمایا کرتے تھے، جب تحریکِ آزادیٔ ہند شروع ہوئی تو گویا مولانا کافی رحمۃ اللہ علیہ کا ہاشمی خون پہلے سے ہی جذبۂ شہادت سے سرشار تھا، مولانا نے حوالیٔ مراد آباد میں فرنگی سامراج کے خلاف علَم جہاد بلند فرمایا اور جدھر آپ کا رُخ ہوا برطانوی استبداد کے پرخچے اُڑتے گئے، سلطان بہادر شاہ ظفر نے آپ کو بلایا اور جہاد کے مشورے کے لئے مولانا نے جنرل بخت خان، شیخ افضل صدیقی، شیخ بشارت علی خان، مولانا سبحان علی، نواب مجد الدین، مولانا شاہ احمد اللہ مدراسی کی معیت میں مختلف محاذوں پر انگریزوں کو شکستیں دیں، رام پور اور مراد آباد کے اکثر معرکے سر کئے، بالآخر انگریزوں کے پٹھو کلال فخر الدین اور بعض خائنوں کی سازش سے ۳۰ اپریل ۱۸۵۸ء مطابق ۶ رمضان المبارک ۱۳۴۷ھ مولانا گرفتار کر لئے گئے اور مراد آباد جیل سے متصل بر سر عام آپ کو انگریزوں نے تختہ دار پر لٹکا دیا، پھانسی کے وقت مولانا مندرجہ ذیل اشعار بڑے ترنم وذوق سے پڑھ رہے تھے:

کوئی گُل باقی رہے گا نے چمن رہ جائے گا   پر رسول اللہ کا دینِ حسن رہ جائے گا
ہمصفیر و باغ میں ہے کوئی دم کا چہچہا!   بلبلیں اڑ جائیں گی سونا چمن رہ جائے گا
اطلس و کمخواب کی پوشاک پر نازاں نہ ہو   اس تنِ بے جان پر خاکی کفن رہ جائے گا
سب فنا ہو جائیں گے کافی و لیکن حشر تک   نعت حضرت کا زبانوں پر سخن رہ جائے گا

(دیوبندی مذہب، مؤلفہ مولانا غلام مہر علی، ص ۴۱۰۔۴۱۱)

۲۱ علی گڑھ میں پیدا ہوئے، یگانہ روزگار عالم تھے، بے شمار، افاضل نے آپ سے پڑھا، متقی عارف باللہ رہنما تھے، تحریک آزادی ۱۸۵۷ء میں مجاہدین نے انگریزوں کو علی گڑھ سے نکال دیا تو زمامِ قیادت آپ کے حوالے کی گئی، دوبارہ انگریزوں نے چڑھائی کی تو دشمن سے مقابلہ میں بہت سے مجاہدین شہید ہوئے، مولانا عبدالجلیل بھی اُن شہداء میں حیات ابدی پا گئے، اور ان بہتر شہداء کے ساتھ جامع مسجد علی گڑھ میں دفن ہوئے۔ (دیوبندی مذہب، مؤلفہ مولانا غلام مہر علی، ص ۴۵)

۲۲ مولانا غلام مہر علی لکھتے ہیں: آپ ۱۲۰۴ھ میں بمقام چنیاپٹن تعلقہ ''پونا ملی'' ساحل دریائے شور متعلقات مدراس میں پیدا ہوئے، آپ کے والد نواب سید محمد علی سلطان ٹیپو شہید کے عظیم مقرب و مصاحب اور چناپٹن کے مختار نواب تھے، مولانا احمد اللہ شاہ نے قابل افاضل اور اساتذہ عصر سے تمام علوم وفنون عربیہ اسلامیہ کی تکمیل کی، اور متبحر عالم و یگانہ روزگار متقی و پرہیزگار ہوئے، حیدرآباد و یورپ کی سیاحت کی، پھر حج سے مشرف ہوئے، پھر جے پور میں حضرت پیر قربان علی شاہ کے دستِ اقدس پر بیعت کی اور سلسلہ عالیہ چشتیہ میں سلوک طے کیا، پھر ٹونک پہنچ کر جہاد کے جذبات بیدار کئے، گوالیار میں پہنچ کر مشہور عارف پیر محراب شاہ قلندر سے خرقۂ خلافت حاصل کیا، انگریزوں نے غدر کیا، علم جہاد بلند کرتے ہوئے حریّت کے پروانے اور تحریک کے قائد اعظم کی حیثیت سے بخت خاں کے دست راست بن کر دہلی پہنچے، انگریزوں کو ناکوں چنے چبوا دیئے، پھر آگرہ میں انگریزی استبداد سے ٹکرائے، پھر کانپور میں برطانوی پرخچے اڑائے، پھر لکھنؤ میں محاذ فتح کئے، پھر فیض آباد اور شاہجہان پور میں فرنگی سامراج کا ستیاناس کیا اور بالآخر یہ باکمال عالم بے مثال مجاہد، یگانہ روزگار پیر فاتح اعظم بطل جلیل میدان کارزار میں ۱۳ ذی قعدہ ۱۲۷۵ھ کو جام شہادت نوش فرما گئے۔

تحریکِ آزادی کی تمام تواریخ اس بطل جلیل کے مفصل کارناموں سے مزین ہیں اور ان = نامراد مؤرخین پر سخت افسوس ہے جنہوں نے مولانا شاہ احمد اللہ کو ننگِ دین، ننگِ وطن، سید احمد بریلوی و مولوی اسماعیل کے عزائم کا تکمیل کنندہ لکھ کر یا ان سے تعلق دار بنانے کے لئے خواہ مخواہ ان غداروں کو مولانا شاہ احمد اللہ کے حالات میں گھسیٹ کر ان کے مقدس عقیدہ و کردار کو داغ دار کرنے کی کوشش کی ہے، مولانا شاہ احمد اللہ خالص سُنّی حنفی صوفی عالم اور ممتاز مجاہد تھے۔ سید احمد و اسماعیل جیسے بدعقیدہ نام نہاد مجاہدوں سے شہید موصوف کا دُور کا بھی تعلق نہ تھا، مولانا کے مجاہدانہ کارنامے آزادئ وطن کے لئے جوش و خروش، مختلف محاذوں پر انگریزوں سے مقابلے اور بالآخر اللہ کی راہ میں شہادت تحریک آزادی کی مفصل تواریخ میں دیکھئے اور سُنّی علماء کی دینی و ملکی خدمات کو بالتفصیل پڑھئے۔ (دیوبندی مذہب، مؤلفہ مولانا غلام مہر علی، ص ۴۱۳)

۲۳ مفتی صدر الدین آزردہ: مولانا غلام مہر علی لکھتے ہیں: تحریک آزادی ہند ۱۸۵۷ء میں جو خدمات حضرت مولانا مفتی صدر الدین علیہ الرحمہ نے پیش کی ہیں کسی سے پوشیدہ نہیں، قلم کو کیا طاقت کہ ان کے علم وفضل کے بحرِ بے کنار سے ایک موتی باہر لا سکے، اور دفتر کے دفتر ان کے مکارم و محاسن کے لئے ناکافی، ۱۲۰۴ھ میں دہلی میں پیدا ہوئے، اکثر علوم مولانا امام الہند فضل امام خیرآبادی رحمۃ اللہ علیہ والد ماجد مولانا فضل حق خیرآبادی شہید تحریک حریّت سے حاصل کئے، حدیث شریف حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی محدِّث دہلوی سے پڑھی اور یگانہ روزگار عالم بنے، چاردانگ عالم میں ان کے علم وفضل کا چرچا ہوا، دہلی میں صدالصدور رہے، انگریزوں کا اقتدار بڑھتا دیکھا تو تحریک آزادی کا جھنڈا اٹھایا، فتوائے جہاد کو نشر کیا، مجاہدین واکابرینِ تحریکِ آزادی کی قیادت کی، تمام جائدادیں تحریک پر خرچ کردیں، ملک کے گوشہ گوشہ میں ان کے تلامذہ موجود ہیں، شعر گوئی میں کمال رکھتے تھے، معقول، فلسفہ، ریاضی کے عدیم المثل استاذ تھے، فقہ کے ممتاز ماہر و مفتی تھے، خالص سُنّی، حنفی، صوفی عالم و یگانہ روزگار امام العلوم تھے۔

وہابیت کی بیخ کنی میں ان کی مساعی مشکورہ اور آزادئ ہند میں ان کی جدوجہد محتاج تعارف نہیں، آج تک وہابیوں دیوبندیوں میں نہ ایسا عالم پیدا ہوا نہ مجاہد، پنج شنبہ ۲۴ ربیع الاول ۱۲۸۵ھ بستی نظام الدین اولیاء دہلی میں داعئ اجل کو لبیک کہا۔ (دیوبندی مذہب، ص ۴۱۴)

۲۴ مولانا محمد علی جوہر: مولانا محمد علی جوہر بن عبدالعلی (۱۸۳۸ء۔۱۸۸۰ء) بن علی بخش (۱۸۱۳ء۔۱۸۶۷ء) کی ولادت ۱۵ ذوالحجہ ۱۲۹۵ھ بمطابق ۱۰ دسمبر ۱۸۷۸ء بروز منگل رامپور (یوپی، بھارت) کے ایک معزز گھرانے میں ہوئی۔ عمر دو سال سے کم تھی کہ والد گرامی کی رحلت ہوگئی، آپ نے ابتدائی تعلیم رامپور اور بریلی میں حاصل کی، پھر علی گڑھ بھیج دیئے گئے، اور علی گڑھ میں آپ ''باغی طالب علم'' شمار ہوتے تھے۔ انگریز اسٹاف پر تنقید کرتے، لڑکوں کو اُن کے خلاف منظم کرتے، ۱۸۹۸ء میں بی اے کا امتحان پاس کیا، بڑے بھائی مولانا شوکت علی نے

http://www.rehmanf.net

معاشی نامساعد ہونے کے باوجود آپ کو اعلیٰ تعلیم کے لئے انگلستان بھیج دیا، ۱۹۰۲ء میں تاریخ میں آنرز کی ڈگری حاصل کی، علوم دینیہ میں ’’دارالعلوم فرنگی محل‘‘ سے سندِ فراغت حاصل کی اور آپ حضرت مولانا عبدالباری فرنگی محلی کے دستِ حق پر بیعت تھے۔ دسمبر ۱۹۰۶ء میں مسلم لیگ کی تشکیل کے وقت آپ موجود تھے۔ مئی ۱۹۱۵ء میں جنگِ عظیم چھڑ جانے کی وجہ سے آپ کو نظر بند کر دیا گیا۔ ۱۹۱۷ء میں جب آپ قیدِ فرنگ میں تھے آپ کو ’’آل انڈیا مسلم لیگ‘‘ کا صدر منتخب کیا گیا، آپ نے کلکتہ سے ’’کامریڈ‘‘ اور ’’ہمدرد‘‘ کے مضامین، تنقیدی نوٹ اور حقائق کے انکشافات نے برصغیر کے لوگوں کو بیدار کرنے میں بہت اہم کردار ادا کیا۔ ۱۱ جولائی ۱۹۲۱ء کو آپ نے کراچی میں ’’خلافت کانفرنس‘‘ کی صدارت کی، آپ کے خطبۂ صدارت کو باغیانہ قرار دے کر گرفتار کرلیا گیا اور جرم یہ عائد کیا گیا کہ آپ نے مسلم سپاہیوں میں سرکار انگریز کے خلاف مدد لی اور ناراضی پھیلائی۔ اس ریزولیشن کی تائید میں میں تقریر کرنے والے پیر غلام مجدّد سرہندی (شکار پور، سندھ)، مولانا شوکت علی، مولانا نثار احمد کانپوری وغیرہم بھی گرفتار ہوئے۔ اس مقدمہ میں دو سال قید ہوئی۔

عشقِ رسول ﷺ آپ کا سرمایۂ حیات تھا، اتباعِ رسول اللہ ﷺ میں ہر وقت کوشاں رہتے، جوں ہی آنحضرت ﷺ کا نام نامی اسم گرامی آتا آپ کی آنکھیں اشکبار ہو جاتیں، جب لاہور کے =ایک متعصب اور دشمنِ اسلام راجپال نے رسوائے زمانہ کتاب ’’..........‘‘ شائع کی جس میں حضور ﷺ کی حیاتِ طیبہ پر نہایت رکیک اور بے ہودہ حملے کیے گئے تھے، اُدھر ہائی کورٹ نے بھی جانبداری کا مظاہرہ کرتے ہوئے مجرم کو صاف بری کر دیا تو آپ نے ایسا قانون پاس کرانے کی تحریک شروع کی، جس کی رُو سے ایسے شخص کو جو انبیاء کرام اور دیگر مذہبی رہنماؤں کی توہین کا مرتکب ہو سزا دی جا سکے، چنانچہ آپ کی کوشش کامیاب ہوئی، آپ کا تیار کردہ مُسوّدہ حاجی عبداللہ ہارون (۱۸۷۲ء۔۱۹۴۲ء) نے مرکزی اسمبلی میں پیش کیا جو کہ غیر معمولی اکثریت سے منظور ہو گیا۔ (تحریک پاکستان اور علماء کرام، مؤلفہ محمد صادق قصوری)

مولانا محمد علی اور شوکت علی دونوں اعلیٰ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے اور آپ نے ان دونوں کو ’’ہندو مسلم اتحاد‘‘ کی حمایت کرنے پر تنبیہ کی تھی۔ (دو قومی نظریہ کے حامی علماء اور ڈاکٹر قریشی، ص ۱۲۔۱۳)

کچھ اس کا اثر ہوا، پھر ان دونوں کے پیر اور مربّی حضرت علامہ مولانا عبدالباری فرنگی محلی کا اس باطل نظریہ سے اعلیٰ حضرت کے ہاتھ پر توبہ کر کے ان کی غیر منصوص فی الفقہ مسائل میں اعلیٰ حضرت کی غیر مشروط حمایت اور اطاعت کا اعلان کرنا اس کا بھی ان دونوں بھائیوں پر خاصا اثر ہوا کہ مولانا محمد علی جوہر نے پہل کی، چنانچہ بین الاقوامی مؤرّخ، ماہر تعلیم ڈاکٹر قریشی لکھتے ہیں: ’’اسی طرح مولانا محمد علی جوہر نے اپنی وفات سے تین ماہ قبل (خلیفۂ اعلیٰ حضرت، آل انڈیا سُنّی کانفرنس کے داعی اور روح رواں) مولانا سید نعیم الدین مراد آبادی کے سامنے اپنی ہندو نواز سرگرمیوں سے توبہ کی، چند ماہ بعد مولانا شوکت علی نے بھی ایسا ہی کیا‘‘۔ (دو قومی نظریہ کے حامی علماء اور ڈاکٹر قریشی، ص ۱۳)

گول میز کانفرنس میں آپ کو شرکت کی دعوت دی گئی تو خلافت کمیٹی کے کانگریسی ممبروں نے آپ کے خلاف سیاہ جھنڈیوں سے مظاہرہ کرنے کی سعی مذموم کی، کانفرنس میں پہنچ کر آپ نے اعلان کیا کہ: ’’میں ایک لمحہ کے لئے بھی تصوّر نہیں کر سکتا کہ میں پہلے ہندوستانی ہوں اور پھر مسلمان...... میں یقیناً پہلے مسلمان ہوں اور کچھ بعد میں‘‘۔

دوسری گول میز کانفرنس میں گاندھی نے بھی شرکت کی جس نے وائسرائے ارون کے ساتھ ==معاہدہ کرلیا تھا کہ آزادی کا مطلب مکمل آزادی نہیں بلکہ درجۂ نوآبادیات ہی ہوگا، تاہم وہاں آپ نے اعلان کیا کہ: ’’میں درجۂ نوآبادیات کا قائل نہیں ہوں، میں تو آزادی کامل کو اپنا مسلک قرار دے چکا ہوں، میں اس وقت تک اپنے غلام ملک میں واپس نہیں جاؤں گا جب تک آزادی کا پروانہ میرے ہاتھ میں نہ دے دیا جائے گا، اگر تم نے ہمیں ہندوستان میں آزادی نہ دی تو تمہیں یہاں مجھے قبر کی جگہ دینی پڑے گی‘‘۔

اس تقریر کے بعد آپ کی حالت سنبھل نہ سکی اور بے ہوش ہو گئے اور اس قومی اور ملّی درد کی کسک میں ۴ جنوری ۱۹۳۱ء بروز اتوار دارِ فانی سے کوچ کر گئے۔ مولانا شوکت علی اور دوسرے مسلمان قائدین نے آپ کو غسل دیا، شام کو پینڈنگٹن ہال لندن میں نمازِ جنازہ ادا کی گئی، آپ کا جسدِ خاکی بیت المقدس لے جایا گیا، جہاں مسجدِ اقصیٰ اور مسجدِ عمر کے نزدیک دفن کر دیا گیا۔ (ماخوذ از تحریک پاکستان اور علماء کرام، مصنفہ محمد صادق قصوری، ص ۵۴ تا ۶۲)

۲۶؎ مولانا شوکت علی: مولانا شوکت علی بن عبدالعلی (۱۸۴۸ء۔۱۸۸۰ء) بن علی بخش (۱۸۱۳ء۔۱۸۶۷ء) بن محبوب بخش (۱۷۷۰ء۔۱۸۲۸ء) کی ولادت ۱۸۷۲ء میں رامپور (یوپی۔ بھارت) میں ہوئی، بچپن میں والد گرامی کا سایہ سر سے اُٹھ گیا، والدہ نے تعلیم و تربیت کا بار اٹھایا، علی گڑھ سے بی اے کیا، آپ کے چھوٹے بھائی مولانا محمد علی جوہر نے میدانِ سیاست میں قدم رکھا تو آپ نے دل کھول کر ان کا ساتھ دیا، مولانا شوکت علی بہت اچھے منتظم تھے، تقریریں کم کرتے تھے، پہلی تحریک جو آپ نے منظم کی ’’انجمن خدام الکعبہ‘‘ تھی، جو ۱۹۱۳ء میں آپ کے پیر و مرشد مولانا عبدالباری فرنگی محلی کے دولت خانہ پر قائم ہوئی، اس تحریک کا مقصد مقامات مقدسہ کی حفاظت اور برطانوی عزائم کا سدِّ باب تھا، یہی

وہ انجمن تھی جس نے حکومتِ برطانیہ کے خلاف برملا تحریک شروع کی، یہی وہ انجمن تھی کہ جس نے ممالک اسلامیہ کی طرف مسلمانانِ ہند کو توجہ کیا۔

جنگِ عظیم کے زمانے میں ترکی کی حمایت کی پاداش میں اپنے بھائی مولانا محمد علی جوہر کے ساتھ پونے پانچ سال قید رہے، آپ بڑے بے باک اور نڈر اور جذبۂ فروشی سے سرشار مسلمان تھے، کراچی کے معروف ''خالق دینا ہال کیس'' میں آپ کے عدالت سے گرج کر کئے ہوئے الفاظ اس کے عکاس = ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''اگر حکومت مسئلۂ خلافت کے متعلق ہمیں مطمئن نہ کرسکی یا پنجاب (جلیانوالہ باغ امرتسر) کے بارے میں انصاف سے کام نہ لیا اور ہمیں مکمل آزادی نہ دی تو میرا فرض ہے کہ بحیثیت ہندوستانی مسلمان اس حکومت کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کی پوری کوشش کروں گا''۔ اس کیس کی بناء پر آپ کو دو سال قید بامشقت ہوئی جو آپ نے نہایت استقلال کے ساتھ برداشت کئے۔

۱۹۲۴ء میں کوہاٹ میں ہندو مسلم فساد ہوا تو گاندھی کے ساتھ وہاں تحقیقات کے لئے گئے، گاندھی نے جس طرح ہندوؤں کی طرف داری کی اور مسلمانوں کو فساد کا ذمہ دار ٹھہرایا، اس بات پر آپ نے گاندھی کو بالکل بے نقاب کیا، اس کے بعد پھر کبھی اس کے ساتھ مل کر کام کرنے کو تیار نہ ہوئے۔

مولانا محمد علی جوہر کے انتقال کے بعد مولانا شوکت علی نے خلافت کمیٹی کے اندر کانگرسی مسلمانوں کے خلاف جنگ لڑی جن کا حال یہ تھا کہ ۱۹۳۰ء میں مجلسِ خلافت کے اجلاس میں سید عطاء اللہ شاہ بخاری (۱۸۹۱ء۔۱۹۶۱ء) نے باقاعدہ یہ قرارداد پیش کی کانگریس میں غیر مشروط طور پر شمولیت اختیار کرلی جائے تو مولانا شوکت علی نے مسلمانوں کو اس اجتماعی خودکشی سے باز رکھنے کی کوشش کی۔ (تحریک پاکستان اور علماء کرام، مؤلفہ محمد صادق قصوری) اور آپ کی ''ہندو مسلم اتحاد'' کی حمایت سے دستبرداری اعلیٰ حضرت اور خلیفۂ اعلیٰ حضرت سید محمد نعیم الدین مرادآبادی اور علامہ عبدالباری فرنگی محلی کی مرہونِ منت ہے، ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی کی ''علماء اِن پالیٹکس' میں تحریر سے یہی ظاہر ہے۔

آپ نے جس خلوص کے ساتھ مسلم لیگ کی خدمت کی، اُسے ہر دلعزیز اور مقبول بنایا، اسے عوامی جماعت تک پہنچایا، اس کے محمد علی جناح بھی معترف تھے۔ ۱۹۳۴ء کے الیکشن میں آپ نے بعض ناگزیر وجوہات کی بنا پر الیکشن لڑنے سے معذوری ظاہر کی تو جناح صاحب کے کہنے پر تیار ہوگئے اور بھاری اکثریت سے کامیاب ہوئے اور پھر کونسل کے اندر اور باہر مسلم لیگ کی ڈھال اور کانگریس کے لئے برہنہ تلوار بنے رہے۔ سخت گرمی اور بیماری کی حالت میں بھی مسلم لیگ اور قیام پاکستان کے لئے اگر کوئی کام ہوتو دوردراز کے سفر سے کبھی نہ گھبراتے۔

۱۹ اپریل ۱۹۳۸ء کو محمد علی پارک کلکتہ میں مسلمانوں کا ایک شاندار جلسۂ عام آپ کی صدارت میں منعقد ہوا، اس جلسہ میں آپ کی خدمات جلیلہ کو زبردست خراج تحسین پیش کیا گیا، آپ نے فرمایا= =میری زندگی اسلام اور قوم کے لئے وقف ہے اور انشاء اللہ اسی راہ میں جان دوں گا۔

نومبر ۱۹۳۸ء کے آخری ہفتے میں آپ پر برنکائٹیس کا شدید حملہ ہوا، اسی حالت میں مسلم لیگ کے کام کے لئے آسام کے شہر شیلانگ کے دورے کا پروگرام بنایا، یکم دسمبر تاریخ روانگی طے پائی اور ۲۸ نومبر کو اس فانی دنیا سے رخصت ہوگئے، اور آخری آرام گاہ دہلی میں درگاہ سرمد شہید کے جوار میں بنی۔ (ماخوذ از تحریک پاکستان اور علماء کرام، مصنفہ محمد صادق قصوری، ص ۶۸ تا ۷۵)

۲۷ حضرت مولانا عبدالباری فرنگی محلی: حضرت مولانا عبدالباری بن مولانا شاہ عبدالوہاب (۱۸۴۶ء۔۱۹۰۳ء) بن شاہ محمد عبدالرزاق (۱۸۲۲ء۔۱۸۸۹ء) بن شاہ محمد جمال الدین بن مُلّا علاء الدین کی ولادت ۱۰ ربیع الثانی ۱۲۹۵ھ/۱۴ اپریل ۱۸۷۸ء بروز اتوار فرنگی محل لکھنؤ میں ہوئی، سلسلۂ نسب خواجہ عبداللہ انصاری مدفون ہرات کے واسطے سے سیدنا حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے۔

حفظِ قرآن کے بعد مولانا عبدالباقی فرنگی محلی (۱۸۹۶ء۔۱۹۴۵ء)، مولانا غلام احمد پنجابی، مولانا احمد اللہ سندیلوی، مولانا عین القضاۃ حیدرآبادی ثم لکھنوی (ف ۱۹۲۵ء) اور مولانا غلام یحییٰ سے اکتساب علم کیا۔ پھر مولانا عبدالباقی نے اپنی مرویات مع مسلسلات وغیرہ کے اپنے سامنے پڑھوا کر اجازت عنایت فرمائی۔ علاوہ ازیں سید علی بن سید ظاہر وتری، شیخ الدلائل علامہ سید امین رضوان، علامہ سید احمد برزنجی مدنی، سید محمد باشلی حریری سے اجازتِ کُتُب حدیث حاصل ہوئی تھی اور اپنے نانا مولانا نورالحسنین سے بھی اجازت حدیث بسلسلہ عابد سندھی مدنی اور سید دحلان مکی عطا ہوئی۔

۱۳۲۱ھ/۱۹۰۳ء میں حرمین شریفین اور عراق کا سفر اختیار کیا، رمضان المبارک میں بغداد پہنچے، حضرت نقیب الاشرف سید عبدالرحمٰن نے سلاسل طریقت کے علاوہ سند حدیث بھی مرحمت فرمائی۔

آپ نے درس تدریس کا پیشہ اختیار کیا، مدرسہ نظامیہ فرنگی محل کو شہرت عام اور بقائے دوام تک پہنچایا اور سیاسی اُمور میں بھی پوری دلجمعی سے لیا اور دنیا پر ثابت کردیا کہ عالم دین سیاست میں شہسوار ہوسکتا ہے اور آپ نے مولانا حسرت موہانی (۱۸۷۸ء۔۱۹۵۱ء) اور علی برادران کی روحانی و سیاسی تربیت کرکے تحریکِ آزادی کو جلا بخشی۔ ۳ راگست ۱۹۱۳ء کو کانپور کی مسجد مچھلی بازار کا واقعہ پیش آیا تو اس وقت مولانا دیوانہ وار

میدان میں کودے اور بھرپور کردار ادا کیا۔ آپ ''ہندو مسلم اتحاد'' کے حامی رہے لیکن ہندوؤں کی مفاد پرستی، مسلم دشمنی اور اِبن الوقتی دیکھی تو حرفِ غلط کی طرح ''ہندو مسلم اتحاد'' کا خیال دل سے نکال دیا اور اپنی اس کوشش پر تادم زیست نادم و پشیمان رہے۔ (تحریکِ پاکستان اور علماء کرام، مؤلفہ محمد صادق قصوری)

یہ تو قصوری صاحب اور کچھ دوسروں کا نظریہ ہوگا جب بات چل نکلی ہے تو اس حقیقت کو بھی بیان کئے دیتا ہوں کہ علامہ محلی مرحوم کے دل میں ہندوؤں کی مسلم دشمنی دیکھ کر ضرور بیزاری آئی ہوگی اور اُن کی ابن الوقتی دیکھ کر ترکِ حمایت کا خیال دل میں گزرا ہوگا، اس سے انکار نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ ایک سچے مسلمان تھے اور بہت بڑے عالم تھے لیکن حقیقت میں علامہ عبدالباری ایک قومی نظریہ کی حمایت کو ترک کر کے دو قومی نظریے کا حامی ہو جانا اور اس کے لئے بھرپور جدوجہد کرنا امام اہلسنّت امام احمد رضا کا مرہونِ منت ہے چنانچہ بین الاقوامی مؤرّخ تحریکِ پاکستان کے عظیم رُکن ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی اپنی کتاب ''علماء اِن پالیٹکس'' میں لکھتے ہیں جس کے ایک باب کا ترجمہ ''نوائے وقت'' کے سب ایڈیٹر گل محمد فیضی نے کیا اور اُسے ۲۳ دسمبر ۱۹۸۱ء کو شائع کیا، چنانچہ ڈاکٹر قریشی لکھتے ہیں: ''مولانا احمد رضا خان بریلوی نے مولانا عبدالباری فرنگی محلی کی بعض تحریروں اور افعال پر اعتراض کیا جنہوں نے خود ان الفاظ میں اس کا حسین اعتراف کیا ہے: ''مجھ سے بہت سے گناہ سرزد ہوئے ہیں، کچھ دانستہ اور کچھ نادانستہ مجھے اُن پر ندامت ہے۔ زبانی، تحریری اور عملی طور پر مجھ سے ایسے امور سرزد ہوئے جنہیں میں نے گناہ تصوّر نہیں کیا تھا، لیکن مولانا احمد رضا بریلوی نے انہیں اسلام سے انحراف یا گمراہی یا قابلِ مؤاخذہ خیال کرتے ہیں، اُن سب سے میں رُجوع کرتا ہوں جن کے لئے پیش روؤں کا کوئی فیصلہ یا نظریہ موجود نہیں، اُن کے بارے میں مَیں مولانا احمد رضا کے فیصلوں اور فکر پر کامل اعتماد کا اظہار کرتا ہوں''۔

اپنا یہ بیان مولانا عبدالباری فرنگی محلی نے شائع کر دیا، مسلمانوں کو ہندو قیادت کی پیروی سے باز رکھنے کی جدوجہد جاری رہی''۔ (دو قومی نظریہ کے حامی علماء اور ڈاکٹر قریشی، ص ۱۳)

آپ عاشقِ رسول ﷺ اور پابند شریعت تھے، مدت العمر سفر و حضر میں نماز باجماعت کا ناغہ نہ کیا، وفات سے چند سال قبل آپ کو زہر دے دیا گیا، بروقت معلوم ہو جانے پر فوراً مداوا کیا گیا مگر مکمل == فائدہ نہ ہوا، مزاج میں حِدّت پیدا ہو گئی تھی، پھر روز بروز صحت گرتی چلی گئی، یہاں تک کہ ۲ رجب المرجب ۱۳۴۴ھ مطابق ۱۷ جنوری ۱۹۲۶ء بروز اتوار پونے چار بجے سہ پہر جب کہ آپ نمازِ عصر کی ادائیگی کا ارادہ فرما رہے تھے دفعۃً داہنی جانب فالج کا شدید حملہ ہوا۔ اور ۴ رجب المرجب ۱۳۴۴ھ بمطابق ۱۹ جنوری ۱۹۲۶ء بروز منگل تقریباً گیارہ بجے شب آپ نے رحلت فرمائی۔

آپ کی وفات پر خانوادۂ بریلی کے فردِ فرید حضرت مولانا مفتی تقدس علی خان رضوی (۱۹۰۷ء۔ ۱۹۸۸ء) نے ''آہ......آہ کہ بُرجِ علم کا نیرِ اعظم غرقِ بحر حنا ہو گیا'' کے زیرِ عنوان خراجِ تحسین پیش کیا اور دارالعلوم ''منظر الاسلام بریلی'' میں آپ کے سوئم کے سلسلے میں ایصالِ ثواب کے لئے قرآن خوانی اور شیرینی تقسیم کی گئی اور علماء و طلباء نے دعائے مغفرت فرمائی۔ (ماخوذ از تحریک پاکستان اور علماء کرام، مصنفہ محمد صادق قصوری، ص ۳۱ تا ۱۷)

۲۸؎ جیسا کہ پہلے بھی ذکر کیا گیا کہ مولانا عبدالباری فرنگی محلی نے ہندوؤں کی مفاد پرستی، مسلم دشمنی اور ابنُ الوقتی سے تنگ آ کر بدظن ہو گئے، پھر اعلیٰ حضرت امام اہلسنّت امام احمد رضا کے اصلاح فرمانے سے انہوں نے ''ہندو مسلم اتحاد'' کا خیال حرفِ غلط کی طرح دل سے نکال دیا، اور اپنی اس غلطی پر ہمیشہ نادم رہے، چنانچہ محمد صادق قصوری لکھتے ہیں: ''انہوں نے اپنے اس فعل پر سخت ندامت اور شرمندگی کا اظہار کیا اور بوقتِ آخر بھی وصیت نامے میں اپنی غلطیوں سے معافی چاہی، اس کی وفات کے دوسرے روز اُن کے وصیت نامے کی وہ دفعہ پڑھی گئی، جس سے مخلصین خصوصاً اور عامۃ المسلمین سے عموماً اپنی غلطیوں سے معافی چاہی، یہ دفعہ مولانا سلامت اللہ فرنگی محلی نے بلند مگر گلوگیر آواز سے سنائی، حاضرین کے دل فگار اور آنکھیں اشکبار تھیں، مولانا محمد علی جوہر تو خون کے آنسو رو رہے تھے''۔ (تحریک پاکستان اور علماء کرام، مصنفہ محمد صادق قصوری، ص ۳۷۔ ۳۸)

۲۹؎ کیونکہ محمد علی جناح پہلے کانگریس میں رہے چنانچہ شریف المجاہد لکھتے ہیں: ''جناح اگرچہ شروع میں کٹر کانگریسی تھے، اس کے باوجود مسلمانوں میں وہ بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے''۔ (ص ۳۴) اور ان کی کانگریس سے دُوری کے متعلق لکھتے ہیں: ''اس طرح پینڈرل مون کے الفاظ میں ''گاندھی کے عروج کے ساتھ ہی جناح کانگریس سے دُور ہو گئے''۔ (قائد اعظم حیات و خدمات، ص ۴۸)

۳۰؎ ابو الکلام آزاد: مولانا ابو الکلام آزاد متوفی ۱۳۷۷ھ/ ۱۹۵۸ء گاندھوی قبیلے کی ممتاز منفرد ہستی تھے، موصوف کی گاندھویت کے بارے میں مولوی شریف الحسن ناظر لکھنوی نے یوں اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے: ''ہندوستان کی سیاست کے اس انقلابی دَور میں حضرت مولانا کی پہلی ملاقات گاندھی سے ۱۸ جنوری ۱۹۲۰ء کو دہلی میں ہوئی، جہاں مسئلۂ ترکی و خلافت کے متعلق وائسرائے سے گفتگو کرنے کے لئے تمام ممتاز ہندو مسلمان لیڈر جمع ہوئے تھے، اس موقع پر آنجہانی تِلک بھی موجود تھے، اور وہی دن تھا جب مولانا اور گاندھی جی کے درمیان محبت اور

خلوص کا ایسا رشتہ قائم ہوا جو گاندھی جی کے آخری دم تک قائم رہا"۔ (بیس بڑے مسلمان، ص ۲۷۹، مطبوعہ لاہور، ۱۹۷۰ء)

اور مولانا آزاد مسلم لیگ اور پاکستان دشمنی میں دوسروں سے بڑھ کر تھے، چنانچہ موصوف کے بارے میں زمانہ قریب کی ایک نامور شخصیت یعنی خواجہ حسن نظامی دہلوی کے تاثرات ملاحظہ کیجئے: "۱۹۰۸ء میں مسٹر زاہد سہروردی کے مکان پر انہوں نے حسن نظامی کے ایک کاغذ پر یہ لکھا تھا "سب باتیں منظور ہیں باستثنائے شرکت مسلم لیگ" گویا ۳۴ سال پہلے بھی وہ مسلم لیگ سے اتنے ہی بیزار تھے جتنے آج کل ہیں...... اگر مولانا ابوالکلام کو ہندوستان کا بادشاہ بنا دیا جائے تو وہ اکبر اعظم کی طرح ہر قوم میں مقبول ہوں"۔ (بیس بڑے مسلمان، مصنفہ عبدالرشید، ص ۱۵۷، مطبوعہ لاہور ۱۹۷۰ء)

اور پروفیسر محمد اکرم رضا صاحب، حضرت خواجہ حسن نظامی سجادہ نشین خواجہ نظام الدین کے ذکر کے تحت لکھتے ہیں کہ آپ نے کُل ہند کی بنیادوں پر چشتی برادری قائم کی، اس میں اپنے تمام عقیدت مندوں کے علاوہ اہم سیاسی شخصیات کو بھی شمولیت کی دعوت دی، شرط یہ رکھی کہ اس برادری کا ہر فرد مسلم لیگ کی حمایت کرے۔

ابوالکلام آزاد نے اُن کی دعوت پر لکھا چشتی برادری کا رُکن تو بن سکتا ہوں مگر مسلم لیگ کی حمایت نہیں کر سکتا۔ (ماہنامہ ضیائے حرم، لاہور، تحریک پاکستان اور مشائخ، مجریہ، محرم الحرم ۱۴۱۰ھ/ اگست ۱۹۹۰ء، جلد (۲۰)، شمارہ (۱۱)، ص ۷۶) اور موصوف کی غیرتِ اسلامی سے محرومی اور ان کے سیاسی عزائم اور نہرو اور گاندھی سے دوستی کو دیکھ کر اُن کے ہم مسلک ظفر علی خان یوں گویا ہوئے

ابو الکلام آزاد سے پوچھتے ہیں دل جلے   آج کل تم پیشوائے امتِ مرحوم ہو
کیا خطا کوئی بھی سرزد تم سے ہو سکتی نہیں   تم بھی کیا پاپائے روما کی طرح معصوم ہو
نہرو گاندھی کے دل کا حال تم جانو اگر   پھر ذرا تم کو بھی قدرِ عافیت معلوم ہو
کٹ کر اپنوں سے ملے ہو تو اغیار سے   پھر یہ کہتے ہو کہ ہم ظالم ہیں تم مظلوم ہو
ہم مسلمان ہیں جو ہیں اوجِ سعادت کے ہما   آئیں اس کے سایہ میں ہم کس طرح جو بُوم ہو
تم یہ کہتے ہو کہ مسلم لیگ رجعت پسند ہے   تم کہاں کے ہٹلرِ وقت اَے میرے مخدوم ہو
کیا تماشا ہے کہ نہرو ہو ہمارا ترجمان   اور غلامی کفر کی اسلام کا مقسوم ہو
کیا تماشا ہے کہ ہم گاندھی کے آگے سر جھکائیں   کیا قیامت ہے کہ جو حاکم ہے وہ محکوم ہے
اے خدا راہِ ہدایت اس مسلمان کو دکھا   غیرتِ اسلام کی دولت سے جو محروم ہو

(چمنستان، مصنفہ ظفر علی خان، ص ۹۲، مطبوعہ لاہور)

عبدالحکیم خان اختر شاہجہانپوری نے ابوالکلام آزاد کے نظریات و افکار اور عملی اقدامات کا یوں تجزیہ کیا چنانچہ لکھتے ہیں: "اب دیکھنا یہ ہے کہ جناب ابوالکلام آزاد کیا چاہتے تھے؟ کیا وہ بھی گاندھی کی جادوگری کا شکار ہو گئے تھے؟ احقر کا جواب (قطع نظر اس کے کہ وہ کسی کی نظر میں صحیح ہے یا غلط) نفی میں ہے، ابوالکلام اور گاندھی کی پہلی ملاقات ۱۸ جنوری ۱۹۲۰ء کو دہلی میں ہوتی ہے لیکن آزاد صاحب اس ملاقات سے پہلے "متحدہ قومیت" کے حامی اور "ہندو مسلم اتحاد" کے زبردست مبلّغ تھے، موصوف اپنے اس سیاسی و دینی نظریہ کی "الہلال" کے ذریعے کُھل کر تبلیغ و اشاعت کر رہے تھے، مسلمانوں کو دورِ حاضر کا ابوالفضل بن کر برابر راغب کر رہے تھے کہ وہ ہندوؤں کو بھی اپنا بھائی سمجھیں اور یہ خیال قطعاً اپنے دل میں نہ لائیں کہ مسلمان ایک الگ قوم ہیں اور ہندو الگ۔ نہیں بلکہ ہندو ہوں یا مسلمان، ہندوستان کے سارے باشندے ایک ہی قوم کے فرد ہیں اور اس قوم کا نام ہندو یا مسلمان نہیں، بلکہ "ہندوستانی" ہے"۔ ابوالکلام آزاد اپنے مخصوص نظریات و عزایم کی بنا پر اپنے دَور کے ابوالفضل بن کر اکبر اعظم کی تلاش میں تھے اور ادھر گاندھی جو ہندوستان کا بے تاج بادشاہ بنا ہوا تھا، اس نے اس مقام پر پہنچ کر ماڈرن اکبرِ اعظم بننے کی غرض سے اس کے "دینِ الٰہی" کو گاندھویت کی شکل میں پورے ملک پر مسلّط کرنے کی غرض سے اپنے دَور کے ابوالفضل کی راہوں میں دیدہ و دل فرشِ راہ کئے ہوئے تھے۔ ۱۸ جنوری ۱۹۲۰ء کو گاندھی اور ابوالکلام ملے، نہیں نہیں، اپنے دَور کے اکبر اعظم اور ابوالفضل ملے، دنوں بامراد ہو گئے، اکبرِ اعظم کو اپنا ابوالفضل مل گیا اور ابوالفضل کو اپنا اکبرِ اعظم ہاتھ آ گیا، نہ گاندھی ابوالکلام کا مرید تھا نہ ابوالکلام گاندھی کا، دونوں ایک دوسرے کی مراد تھے، دونوں ایک دوسرے کے عزائم کی تکمیل کا سب سے بڑا سہارا تھے، اگر مغلِ اعظم اور ابوالفضل اکٹھے نہ ہوتے تو تاریخ کے اوراق میں "دینِ الٰہی" کا نام تک نہ تھا، اس طرح گاندھی اور ابوالکلام مِل جل کر ایک ہی منزل پر گامزن نہ ہوتے تو "گاندھویت" کے نام سے بھی ابنائے زمانہ کے کان ناآشنا رہتے، ظفر علی خان نے اس لئے تو کہا تھا:

کہہ دے یہ اُن سے بھول گئے کیوں حرم کو آپ   آئیں ابو الکلام جو وردھا سے گھوم کر

(برطانوی مظالم کی کہانی، ص۸۷۱_۸۷۲)

۳۱۔ علی برادران احمد رضا کی بارگاہ میں: تحریک پاکستان کے رُکن عالمی شہرت یافتہ ممتاز مؤرّخ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی لکھتے ہیں کہ ''تحریکِ خلافت کے آغاز میں عدم تعاون کے فتویٰ پر دستخط لینے کے لئے علی برادران اُن (یعنی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا) کی خدمت میں حاضر ہوئے، انہوں نے جواب دیا: ''مولانا میری اور آپ کی سیاست میں فرق ہے، آپ ہندو مسلم اتحاد کے حامی ہیں اور میں مخالف''۔ اور جب مولانا نے یہ دیکھا کہ علی برادران رنجیدہ ہوگئے ہیں تو انہوں نے کہا: ''مولانا میں (مسلمانوں کی) سیاسی آزادی کا مخالف نہیں، میں ہندو مسلم اتحاد کا مخالف ہوں''۔ (دو قومی نظریہ کے حامی علماء اور ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی، علماء اِن پالیٹکس، ص۱۲)

یاد رہے کہ علی بردران بعد میں ایک قومی نظریہ سے تائب اور دو قومی نظریہ کے قائل ہوگئے == تھے۔ جیسا کہ اس کا ذکر حواشی میں کیا جاچکا ہے۔

۳۲۔ اسی طرح ''تاریخ آزادیٔ ہند اور مشائخ و علماء کا کردار'' (ص۱۲) میں ہے۔

۳۳۔ آل انڈیا سُنّی کانفرنس کی تاسیس: یاد رہے کہ ''آل انڈیا سُنّی کانفرنس'' (۱۹۲۵ء تا ۱۹۴۷ء) کے روحِ رواں، بانی منتظم اور ناظم اعلیٰ صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین مرادآبادی اور پیر سید جماعت علی شاہ محدِّث علی پوری تھے، اور اس کا پہلا تاسیسی چار روزہ اجلاس ۲۰ تا ۲۳ شعبان المعظم ۱۳۴۳ھ/ ۱۶ تا ۱۹ مارچ ۱۹۲۵ء کو مرادآباد میں منعقد ہوا جس کے داعی حضرت صدر الافاضل تھے اور اس میں امام اہلسنّت کے امام احمد رضا متوفی ۱۳۴۰ھ/ ۱۹۲۱ء کے فرزند اکبر حجۃ الاسلام حامد رضا نے خطبۂ استقبالیہ جب کہ خطبۂ صدارت شیخ المشائخ سید علی حسین شاہ اشرفی نے دیا۔

اس پہلی کانفرنس میں شرکت کرنے والے عینی شاہد حضرت مولانا سید محمد محدِّث کچھوچھوی (مدیر ماہنامہ اشرفی کچھوچھا شریف) نے کانفرنس کی کاروائی دیکھی اور شائع کی، چنانچہ اس کے چند اقتباسات نقل کرتا ہوں، آپ نے لکھا: ''یہ کانفرنس کس طرح شروع ہوکر ختم ہوئی، اس کے متعلق بلا مبالغہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ مجموعی حیثیت سے ہندوستان میں قومی قوت کے اس درجہ شاندار جلسہ کی مثال نہیں مل سکتی۔ وہ حضرات جن کے سامنے ہندوستان کا مشرق و مغرب ہے اور جنہوں نے ایسے جلسے دیکھے ہیں جن کا تذکرہ بھی ہم لوگوں کو عجیب معلوم ہوتا تھا، ان کا بیان ہے کہ اس قدر منظم و باقاعدہ و پُر شوکت جلسہ کبھی نظر سے نہیں گزرا اور نہ شرکت سے پہلے گمان تھا کہ کانفرنس کا افتتاح اس شان و شوکت سے ہوگا۔ (ماہنامہ کچھوچھا، جلد۳، شمارہ ۵، مجریہ شوال ۱۳۴۳ھ/ مئی ۱۹۲۵ء، ص۱۵)

اہلسنّت کے جن جلیل القدر علماء کرام، مشائخ عظام نے اس کانفرنس میں شرکت فرمائی اور ملّتِ اسلامیہ کی بروقت رہنمائی کی، ملّت کے منتشر اور بکھرے ہوئے شیرازے کو مجتمع کیا، ان سب کے نام تو میسر نہیں، تاہم چند اسماء گرامی جو محفوظ رہ گئے تھے وہ یہ ہیں: شیخ المشائخ مولانا سید محمد علی حسین اشرفی جیلانی (کچھوچھا ضلع فیض آباد)، ہادیٔ اُمت حضرت مولانا سید احمد اشرف جیلانی (کچھوچھا)، مُحدِّث جلیل حضرت مولانا سید محمد اشرفی جیلانی (کچھوچھا)، امیر ملّت مولانا سید جماعت علی مُحدِّث علی پوری (ضلع سیالکوٹ)، صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مرادآبادی، حُجّۃ الاسلام مولانا حامد رضا قادری برکاتی (زیب آستانہ رضویہ، بریلی)، شیخ المحدِّثین حضرت مولانا سید دیدار علی الوری، مولانا صاحبزادہ محمد اشرف، مولانا مشتاق احمد کانپوری، مولانا سید محمد سلیمان اشرف بہاری (پروفیسر علی گڑھ یونیورسٹی)، مولانا عبدالاحد (پیلی بھیت)، مولانا محمد معوان حسین رامپوری، مولانا احمد علی مُحدِّث علی پوری، مولانا عبدالحفیظ بنارسی، مولانا فاضل کچھوچھوی، مولانا عبدالمجید، مولانا سید غلام قطب الدین اشرفی، مولانا احمد مختار میرٹھی، مولانا محمد عمر نعیمی، مولانا محمد یعقوب خان بلاسپوری، مولانا محمد حسین اجمیری وغیرہم، تین سو کے قریب علماء کرام، واعظانِ اسلام، مفتیان ذوی الاحترام اور مشائخ عظام میں سندھ سے لے کر ہند کے صوبوں کے مقتدر حضرات تشریف لائے تھے۔ بریلی، رامپور، دہلی، مرادآباد، لکھنؤ، پنجاب اور کچھوچھا کے علمی و روحانی مقامات کے اکابر موجود تھے، قادری، چشتی، نقشبندی اور سہروردی خانوادوں کے اربابِ طریقت کا نورانی اجتماع تھا۔ (تاریخ آل انڈیا سُنّی کانفرنس، ص۲۹_۳۰)

۳۴۔ سُنّی مسلمانوں کا نعرہ تو یہ تھا، اس کے مقابلے میں یہ کانگریسی نعرہ لگاتے تھے ''پاکستان قبرستان'' چنانچہ ۴ مارچ ۱۹۴۶ء کے الیکشن موقع پر مرادآباد میں مسلم لیگ کو زبردست کامیابی ہوئی اور کانگریس کو ناکامی سے دوچار ہونا پڑا، تو کانگریسی ایک گروہ کثیر کے ساتھ آوازے کستے ہوئے پولنگ کی جگہ پر آئے اور ''قبرستان پاکستان'' کا نعرہ لگاتے ہوئے آئے، مسلم لیگ کی طرف سے نعرہ بلند ہوا ''بٹ کے رہے گا ہندوستان، لے کے رہیں گے پاکستان'' اسی طرح 'ہفت روزہ دبدبہ سکندری، رامپور، مجریہ ۷ فروری ۱۹۴۷ء، ص۸'' میں ہے۔ (تاریخ آل انڈیا سُنّی کانفرنس، ص۲۹۹_۳۰۰)

۳۵۔ گروہِ قادیان کی کارگزاریاں: حریکِ آزادی اور تحریکِ پاکستان کا ذکر ہو اور گروہِ قادیان کا ذکر نہ کیا جائے تو یہ ذکر مکمل نہیں ہوتا چنانچہ صادق علی زاہد لکھتے ہیں: قادیانیت ایک سیاسی تحریک ہے جسے برصغیر میں انگریزی استعمار کو طول دینے کے لئے تخلیق کیا گیا تھا لیکن اپنے مقصد

http://www.tehmari.net

کے حصول کے لئے مذہب کا لبادہ اوڑھا دیا گیا۔ قادیانی اکابرین اپنے جنم دن سے ہی برطانوی استعمار کی بلاچوں وچراں اطاعت ووفاداری کا درس دیتے رہے، اس گروہ کے اولین سیاسی اور مذہبی پیشوا مرزا غلام احمد قادیانی نے برملا اعتراف حقیقت کرتے ہوئے اپنی کتاب ''تبلیغ رسالت'' جلد ۷، ص ۱۹ پر تحریر کیا: ''ہمارا جانثار خاندان سرکار دولت مدار وسلطنت انگلش کا خود کاشتہ پودا ہے، ہم نے سرکار انگریزی کی راہ میں اپنا خون بہانے اور جان دینے سے بھی دریغ نہیں کیا''۔ برطانوی استعمار کو طول دینے کے لئے عالم اسلام کے خلاف اس انگریز کے خود کاشتہ پودے نے جو خدمات سرانجام دی ہیں اگر ان کی تفصیل یکجا کی جائے تو بقول مرزا غلام احمد قادیانی کے پچاس الماریاں بھر سکتی ہیں۔ (قادیانیت کا سیاسی تجزیہ از صاحبزادہ طارق محمود)

۱۵/اپریل ۱۹۴۷ء کو قادیانیوں کے ترجمان ''الفضل'' نے ایک بار پھر اپنا موقف ان الفاظ میں دہرایا'' بہر حال ہم چاہتے ہیں اکھنڈ ہندوستان بنے اور ساری قومیں باہم شیر وشکر ہو کر رہیں''۔

۱۹۴۴ء میں ظفر اللہ خان قادیانی نے ایک پمفلٹ ''ہیڈ آف دی احمدیہ موومنٹ'' کے نام سے مرتب کیا اس پمفلٹ میں ہندوستان کی سیاسی صورت حال کے بارے میں قادیانی سربراہ مرزا محمود احمد کے خیالات ونظریات اور اس کی شخصیت کا تعارف کرایا گیا، اس میں سر ظفر اللہ خان نے تحریر کیا کہ وہ مرزا محمود احمد اکھنڈ بھارت کے مؤید اور پاکستان جیسی علاقائی تحریک کے مخالف ہیں۔ (قادیان سے اسرائیل تک، ص ۱۸۶، از ابو مدثر، بحوالہ ہیڈ آف دی احمدیہ موومنٹ) قادیانیوں کے لندن مشن نے اس پمفلٹ کی وسیع پیمانے پر تشہیر کی۔

قادیانیوں کی بھرپور مخالفت کے باوجود جب تقسیم ہند ناگزیر ہوگئی اور پاکستان کا قیام ممکن نظر == آنے لگا تو قادیانیوں نے پاکستان کی جغرافیائی صورت کو نقصان پہنچانے کی بھیانک کوشش کی (یعنی اپنے بانی کے مولد ومرکز قادیان کو ویٹی گن سٹی قرار دینے کا مطالبہ کر دیا) حکومت کی طرف سے قادیان کو آزاد ریاست تسلیم نہ کئے جانے کے بعد قادیانیوں نے حد بندی کمیشن کو غلط اعداد وشمار پیش کر کے آزاد قادیان حاصل کرنے کی ناکام کوشش کی، قادیانیوں کے الگ محضر نامہ پیش کرنے کے نتیجے میں باؤنڈری کمیشن نے اس محضر نامہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ان کو مسلمانوں سے الگ شمار کیا، اس طرح گورداس پور کا ضلع جس میں ہندو مسلم آبادی کا تناسب ۴۹ اور ۵۱ فیصد تھا، قادیانیوں کے علیحدہ شمار ہونے پر الٹ گیا، اس طرح گورداس پور کو مسلم اقلیت کا ضلع قرار دے کر اس اہم ترین علاقہ کو بھارت کے حوالے کر دیا گیا اور نہ صرف گورداس پور پاکستان کے ہاتھ سے نکل گیا بلکہ بھارت کو کشمیر تک پہنچنے کا آسان راستہ میسر آ گیا۔

ہفت روزہ ''چٹان'' کو انٹرویو دیتے ہوئے معروف مسلم رہنما میاں امیر الدین نے فرمایا: ''باؤنڈری کمیشن کے مرحلہ پر ظفر اللہ خان قادیانی کو مسلم لیگ کا وکیل بنانا مسلم لیگ کی بہت بڑی غلطی تھی جس کے ذمہ دار لیاقت علی خان اور چوہدری محمد علی تھے''۔

نیز آگے چل کر فرمایا: ''اس ظفر اللہ نے پاکستان کی کوئی خدمت نہیں کی بلکہ پٹھانکوٹ کا علاقہ اس کی سازش کی بناء پر پاکستان کی بجائے ہندوستان میں شامل ہوا''۔ (ہفت روزہ چٹان لاہور، ۶ تا ۱۳/اگست ۱۹۸۴ء)

تقسیم ہند کے حوالے سے چند چونکا دینے والے بیان: (۱) ''ہم نے یہ بات پہلے بھی کئی بار کہی کہ ہمارے نزدیک پاکستان بننا اصولاً غلط ہے'' (خطبہ مرزا محمود احمد روزنامہ الفضل، ۱۲۔۱۳/اپریل ۱۹۴۷ء)

(۲) ''میں قبل ازیں بتا چکا ہوں کہ ہم ہندوستان کی تقسیم پر رضامند ہوئے تو خوشی سے نہیں بلکہ مجبوری سے اور ہم کوشش کریں گے کہ کسی نہ کسی طرح متحد ہو جائیں''۔ (تقریر مرزا محمود احمد خلیفہ قادیانی، الفضل قادیان، ۱۶ مئی ۱۹۴۷ء)

(۳) ''ممکن ہے کہ عارضی طور کچھ افتراق ہو اور کچھ وقت کے لئے دونوں قومیں (مسلم اور ہندو) الگ الگ رہیں، مگر یہ حالت عارضی ہو گی اور ہمیں کوشش کرنی چاہئے کہ جلد دُور ہو جائے، بہر حال ہم چاہتے ہیں کہ اکھنڈ ہندوستان بنے''۔ (مسئلہ کشمیر اور قادیانی امت از اختر کاشمیری، ص ۹۵، == بحوالہ روزنامہ الفضل قادیان، ص ۱۷، امئی ۱۹۴۷ء)

ظفر اللہ خان قادیانی بطور وزیر خارجہ پاکستان؟ یہ ایک سوال ہے اس کے جواب میں صادق علی زاہد لکھتے ہیں: ''پاکستان کی پہلی کابینہ'' او ر ''پاکستان کیوں ٹوٹا؟'' کے حوالوں سے معلوم ہوتا ہے کہ انگریز وائسرے کے دباؤ کے تحت عظیم قائد محمد علی جناح کو بادل نخواستہ بعض غلط فیصلے کرنے پڑے جن میں قادیانی وزیر خارجہ کا تقرر، جوگندر ناتھ منڈل کو وزیر قانون بنانا اور آزاد پاکستان کی افواج کا کمانڈر انچیف ایک انگریز (ڈگلس گریسی) کو بنانا شامل ہے، تاریخ بتاتی ہے کہ ظفر اللہ قادیانی کی باؤنڈری کمیشن میں پاکستانی مؤقف کی وکالت سے دلبرداشتہ ہو کر قائد اعظم انہیں کسی طرح وزیر نہیں بنا رہے تھے مگر انگریز وائسرائے نے اس کی تقرری پر بہت اصرار کیا، یہاں تک کہ دھمکی دی کہ اگر ظفر اللہ قادیانی کو وزیر نہ بنایا گیا تو اختیارات کی منتقلی کا اعلان نہیں کیا جائے گا''۔ (سازشوں کا دیباچہ قادیانیت از رائے کمال، ص ۱۹۵، پاکستان کیوں ٹوٹا، ص ۳۰۷، از ڈاکٹر صفدر محمود)

دوسرا قادیانی سربراہ مرزا بشیر الدین محمود احمد پاکستان ختم ہو جانے کی حسرت دل میں لئے جب مرنے لگا تو وصیت کر دی کہ مجھے عارضی

طور پر ربوہ میں دفن کیا جائے بعد میں قادیان کے بہشتی مقبرہ میں میری قبر بنائی جائے، اس جماعت نے وصیت قبر پر کندہ کروادی، جب حالات سازگار ہو جائیں تو میری میت کو نکال کر قادیان میں دفن کیا جائے جماعت پر فرض ہے کہ وہ میری وصیت پر ہر لحاظ سے پورا پورا عمل کریں (سازشوں کا دیباچہ از رائے کمال، ص۱۹۴) ابھی چند برس قبل قادیانیوں نے مذکورہ کندہ شدہ الفاظ مرزا محمود کی قبر سے ہٹائے ہیں بقول شورش کاشمیری۔

تحریک پاکستان اور قیامِ پاکستان کے ابتدائی ایام میں قادیانیوں کے کردار کی ایک جھلک دکھائی گئی ہے قیامِ پاکستان سے لے کر اب تک یہ کتنے گھناؤنے کردار کے حامل رہے ہیں، اس کی تفصیل کا موقع نہیں ہے۔ ملخصاً (ماہنامہ ضیائے حرم لاہور، مجریہ ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ/ اگست ۱۹۹۷ء، تحریکِ پاکستان اور گروہِ قادیان، ص۱۲۹ تا ۱۳۶)

۳۶؎ ''دبدبہ سکندری'' رامپور اہلسنّت کا ہفت روزہ اخبار تھا، اپنی تاریخ ابتداء ۱۲۸۳ھ/ ۱۸۶۶ سے اہلسنّت کی ترجمانی کرتا رہا، آل انڈیا سُنّی کانفرنس کے احیاء کے موقع پر اس اخبار نے اپنے آپ کو ترجمانِ آل انڈیا سُنّی کانفرنس کے طور پر متعارف کرایا، سُنّی کانفرنس کے اغراض و مقاصد کی اشاعت اس کا اولین مقصد قرار پایا۔ خبروں، مضمون اور اداریوں میں سُنّی کانفرنس کے مفادات کا تشہیر کی ہر ممکن طریقہ سے کوشش کرتا رہا کہ سُنّی کانفرنس کی زیادہ سے زیادہ خبروں کو اپنے موقر جریدے میں جگہ دے مگر ان خبروں کی تعداد اب ۱۹۴۶ء میں اتنی بڑھ گئی کہ ان تمام خبروں کو اخبار میں جگہ دینا مدیر جناب محمد فضل حسین صابری کے لئے ممکن نہ رہا۔ (تاریخ آل انڈیا سُنّی کانفرنس، ص۱۳۸)

۳۷؎ اس صفحہ کا عکس محمد جلال الدین قادری کی کتاب ''پاکستان بنانے والے علماء و مشائخ'' (ص۳۱۲) میں موجود ہے، اس صفحہ پر عنوان ''آل انڈیا سُنّی کانفرنس کا فیصلہ'' از حضرت صدر الافاضل استاذ العلماء جناب مولانا محمد نعیم الدین مراد آبادی صاحب ناظم آل انڈیا سُنّی کانفرنس ـ مراد آباد= یو۔پی کے تحت ہے: ''سُنّی کانفرنس ہرگز پاکستان سے دست بردار نہ ہوگی اگر بالفرض مسٹر جناح مطالبۂ پاکستان سے دست بردار بھی ہو جائیں تو بھی سُنّی کانفرنس اس میں ان کی مواقفت نہیں کرے گی اور اپنا مطالبۂ پاکستان ضرور حاصل کرے گی، مسلمانوں کا یہ حق مل کر رہے گا الخ''۔

۳۸؎ محدّث کچھوچھوی: سید العلماء علامہ سید محمد محدّث اعظم ہند کچھوچھوی علیہ الرحمہ کی ولادت رائے پور بریلی میں ہوئی، آپ کا سلسلۂ نسب حضور غوث الثقلین محبوب سبحانی سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمہ سے ملتا ہے، صرف پانچ سال کی عمر میں آپ نے ناظرہ قرآن شریف پڑھنے کی سعادت حاصل کی، والدگرامی سید نذر اشرف علیہ الرحمہ سے ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ عربی درس نظامی کے لئے مدرسہ نظامیہ فرنگی محل کے نامور اساتذہ کے سامنے زانوائے تلمذ طے کیا، آٹھ سال بعد علی گڑھ میں مفتی لطف اللہ علیہ الرحمہ کی خدمت میں حاضر ہو کر ''شرح تجرید'' اور ''اُفق المبین'' کا درس لیا، مفتی صاحب نے سندِ فراغت میں آپ کے نامہ کے ساتھ علامہ کا اضافہ فرمایا، پیلی بھیت میں مولانا شاہ مطیع الرسول عبدالمقتدر بدایونی علیہ الرحمہ سے حدیث پڑھ کر سند حدیث حاصل کی، دہلی میں مدرسہ الحدیث قائم کر کے درسِ حدیث دیا، نانا جان شیخ المشائخ شاہ علی حسین اشرفی میاں علیہ الرحمہ کے ایماء پر اپنے ماموں عارف ربانی مولانا شاہ احمد اشرف علیہ الرحمہ سے مرید ہو کر تکمیل سلوک کیا اور درجۂ کمال کو پہنچے، ایک عالم آپ سے فیض یاب ہوا، تقریباً پانچ ہزار غیر مسلم آپ کے ہاتھوں مشرف بہ اسلام ہوئے، کئی بار حج و زیارت سے مشرف ہوئے، آپ کا شمار اعلیٰ حضرت مُحدِّث دہلوی کے علیہ الرحمہ کے معزز خلفاء و تلامذہ میں ہوتا ہے۔

سید محمد محدِّث اعظم ہند کچھوچھوی علیہ الرحمہ نے دیگر مشائخ اہلسنّت کے شانہ بشانہ مگر قائدانہ حیثیت سے کام کیا، تحریکِ پاکستان کی حمایت میں ملک گیر دَورے کئے اور عوام کو مسلم لیگ کے منشور سے آگاہ کر کے نظریہ پاکستان کا ہمنوا بنایا۔

آپ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کی قائم کردہ ''جماعت رضائے مصطفیٰ بریلی'' کے تاحیات صدر رہے، بنارس میں سُنّی کانفرنس ۱۹۴۶ء کے موقع پر آئندہ کے لئے بالاتفاق صدر عمومی مقرر ہوئے اور اسی کانفرنس کے استقبالیہ کے صدر بھی آپ ہی تھے، اس سے آپ کی سیاسی بصیرت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ سید محمد مُحدِّث کچھوچھوی علیہ الرحمہ خطابت کے شہسوار تھے، آواز میں بلا کی کاٹ اور لہجہ میں شرینی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی، جو بات منہ سے نکالتے ہی دلوں میں اترتی چلی جاتی، بنارس کی آل انڈیا مسلم سُنّی کانفرنس اور اجمیر سُنّی کانفرنس میں آپ کے خطبے تحریکِ پاکستان کی حمایت کے جیتے جاگتے ثبوت ہیں، ان خطبات کو شہرت عام حاصل ہے، ۸ جون ۱۹۴۶ء کو سُنّی کانفرنس اجمیر شریف میں آپ کے خطبۂ صدارت سے ایک اقتباس ملاحظہ کرتے چلیں: ''اے سنی بھائیو! اے مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کے لشکریو! اے خواجہ کے مستو! اب تم کیوں سوچو کہ سوچنے والے مہربان آگئے اور تم کیوں رکو کہ چلانے والی طاقت آگئی، اب بحث کی لعنت چھوڑو، اب غفلت کے جرم سے باز آجاؤ، آؤ اٹھ پڑو، کھڑے ہو جاؤ، چلے چلو، ایک منٹ بھی نہ رکو، پاکستان بنالو تو جا کر دم لو کہ یہ کام اے سنیو! سُن لو کہ صرف تمہارا ہے''۔ (ماہنامہ ضیائے حرم، لاہور، اگست ۱۹۹۷ء/ ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ، جلد نمبر ۲۷، شمارہ ۱۰، ص۷۲۔۷۴)

۳۹؎ امیر ملت سید جماعت علی شاہ: امیر ملت پیر سید حافظ جماعت علی شاہ محدث علی پوری بن سید کریم شاہ (ف ۱۹۰۲ء) کی ولادت با

سعادت ۱۲۵۷ھ/ ۱۸۴۱ء میں علی پور سیداں ضلع سیالکوٹ میں ہوئی، حفظ قرآن وابتدائی تعلیم علی پور سیداں سے حاصل کرنے کے بعد برصغیر کے نامور علماء وفضلاء سے علمی استفادہ کیا۔ اس کے علاوہ آپ نے ترکی کے نامور محدِّث مولانا علامہ محمد عمر ضیاء الدین استانبولی سے بھی اجازت حدیث شریف حاصل کی۔ امیر ملّت نے سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ کے نامور شیخ طریقت حضرت باواجی فقیر محمد فاروقی چوراہی کے ہاتھ پر بیعت کر کے خلافت حاصل کی۔

آپ کی حیات مبارکہ مذہبی، ملی اور سیاسی خدمات سے عبارت ہے آپ نے پاک وہند میں مشرق لے کر مغرب تک اور شمال سے جنوب تک سفر کر کے خوابیدہ قوم کو بیدار کیا، فتنۂ ارتداد، شدھی تحریک، تحریکِ ہجرت، تحریک آزادی کشمیر، تحریک علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، انجمن حیات اسلام لاہور، تحریک مسجد شہید گنج لاہور، غرض برصغیر کی تمام مسلم تحریکوں میں مجاہدانہ اور قائدانہ کردار ادا کیا۔ تحریکِ= پاکستان میں آپ کا کردار تاریخ کا ایک سنہری باب ہے اور نژادِ نو کے لئے مشعلِ راہ۔

۱۹۳۶ء میں جب قائداعظم نے مسلم لیگ کی تنظیمِ نو کا بیڑا اٹھایا اور ہندو مسلم دو جداگانہ قوموں کی آواز بلند کی تو برصغیر میں سب سے پہلے امیر ملّت ہی نے قائداعظم کو اپنے مکمل اور بھرپور تعاون کا یقین دلایا، آپ اس وقت حیدرآباد دکن (انڈیا) میں مقیم تھے، وہاں سے قائداعظم کے نام ایک ہمدردانہ وہمت افزاء، پُرخلوص خط مع تبرکات بمبئی کے ایڈریس پر ارسال کرتے ہوئے فرمایا کہ: ”قوم نے مجھے امیر ملّت مقرر کیا ہے اور پاکستان کے لئے جو کوشش آپ کر رہے ہیں وہ میرا کام تھا لیکن میں سو سال کے قریب عمر کا ضعیف وناتواں ہوں یہ بوجھ آپ پر آن پڑا ہے، میں آپ کی مدد کرنا فرض تصور کرتا ہوں، میں اور میرے متوسلین آپ کے معاون و مددگار رہیں گے، آپ مطمئن رہیں“۔ اس کے بعد حضرت امیر ملت نے اپنے تبلیغی اور روحانی دوروں کے دوران پشاور سے راس کماری تک مسلم لیگ کا پیغام گھر گھر پہنچایا حتی کہ مسلم لیگ برصغیر کے چپے چپے میں مقبول عام بن گئی اور بوڑھے بچے جوان کی زبان پر مسلم لیگ زندہ باد کے پُرسرور نعرے گونجنے لگے۔

۲۲ اپریل ۱۹۳۸ء کو جامع مسجد کلاں میانہ پورہ سیالکوٹ میں خطبہ جمعۃ المبارک ارشاد فرماتے ہوئے حضرت امیر ملّت نے ”حقانیتِ اسلام“ کے موضوع پر اڑھائی گھنٹے کے ایمان افروز اور باطل سوز خطاب میں فرمایا: ”مسلمانو! آج ایک جھنڈا اسلامی ہے، دوسرا کفر کا، تم کس جھنڈے کے سائے میں رہوگے“۔ سب حاضرین نے متفقہ آواز میں کہا: ”اسلام کے جھنڈے کے سائے میں“، پھر آپ نے کلمہ شہادت پڑھوا کر حاضرین سے وعدہ لیا اور سب حاضرین نے یک زبان ہو کر ہاتھ بلند کر کے وعدہ کیا کہ ہم کفر کے جھنڈے کے نیچے جا کر ان میں ہرگز شامل نہ ہوں گے بلکہ ان سے شامل ہونے والوں کے ساتھ کسی قسم کا برتاؤ نہ رکھیں گے نہ ان کی نماز جنازہ پڑھیں گے اور نہ ان کو اپنے قبرستان میں مرنے کے بعد دفن کریں گے۔

۲۰ راکتوبر ۱۹۳۸ء کو آپ نے صوبہ سرحد کے مریدوں کو ایک خصوصی پیغام بھیجا کہ وہ مسلم لیگ میں شامل ہو کر آزادی کی منزل حاصل کرنے کے لئے اپنی تمام تر مساعی صَرف کر دیں۔ دسمبر ۱۹۳۸ء آپ براہ کراچی عازم حج ہوئے، بخشی مصطفیٰ عالی خان (خلیفہ امیر ملّت ف ۱۹۷۴ء) بھی ہمراہ تھے، جہاز کی روانگی کے انتظار میں چار دن کراچی قیام کرنا پڑا، دریں اثنا قاضی شہر نے آپ سے دریافت کیا کہ ”مسلم لیگ کے متعلق حضور کی رائے کیا ہے؟ یہاں صوبہ سندھ میں خود مسلمانوں کی دو جماعتیں ہو گئی ہیں، ایک مجبورِ کرتی ہے کہ کانگریس میں شامل ہوں دوسری زور لگاتی ہے کہ مسلم لیگ میں داخل ہوں“ آپ نے جواباً ارشاد فرمایا: ”قاضی آپ کے سامنے دو علَم ہیں، ایک حق دوسرا باطل کا، فرمایا: آپ کون سا علَم پسند کریں گے، مرنا بھی ہو تو کیا باطل کے علَم کے نیچے مرنا پسند کروگے“۔

۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کو اقبال پارک لاہور میں آل انڈیا مسلم لیگ کا اجلاس قراردادِ لاہور منعقد ہوا، حضرت امیر ملّت نے ”آل انڈیا سُنی کانفرنس“ کی نمائندگی کے لئے پیر آف مانکی شریف، پیر آف زکوڑی شریف، علامہ عبدالغفور ہزاروی وغیرہم کو وہاں بھیجا۔

آواخر جون ۱۹۴۵ء میں حضرت امیر ملّت نے تحریکِ پاکستان کی حمایت میں ایک زبردست بیان جاری فرمایا جس کا عنوان ”تحریکِ پاکستان اور صوفیاء کرام“ تھا، اس بیان کا مرکزی نقطہ یہ تھا کہ محمد علی جناح ہمارا بہترین وکیل ہے اور مسلم لیگ مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت ہے لہٰذا سب مسلمان قیام پاکستان کی جدوجہد میں شریک ہوں۔ ۱۴ تا ۱۶ ستمبر ۱۹۴۵ء بروز جمعہ، ہفتہ، اتوار ”دارالعلوم مرکزی انجمن حزب الاحناف ہند“ لاہور کے سالانہ اجلاس کے موقع پر ہندوستان بھر کے اکابر علماء اہلسنّت وجماعت تشریف لائے، اجلاس کی صدارت حضرت امیر ملّت نے فرمائی اور فیصلہ کیا گیا کہ کانگریس، احرار، خاکسار، یونینسٹ ہرگز ہرگز مسلمانوں کی نمائندہ جماعتیں نہیں ہیں، کانگریس، مشرکین و مرتدین کی جماعت ہے اور اسلام اور مسلمانوں کی بدترین دشمن ہے، اس سے یہ ہرگز توقع نہیں کہ یہ مسلمانوں کے حقوق کی نمائندگی کر سکے، لہٰذا مسلمانوں کو اپنا قیمتی ووٹ کانگریس کو دینا حرام ہے۔ احرار، خاکسار اور یونینسٹ وغیرہ وغیرہ اکثریت سے کٹ کر گاندھی اور نہرو کے زرخرید غلام بن چکے ہیں، انہیں مسلمانوں کی نمائندگی کا کوئی حق نہیں ہے، مسلمانوں کے ووٹ حاصل کرنے کا حق صرف ”سُنّی العقیدہ“ مسلمانوں کو ہے جو کونسلوں میں جا کر مسلمانوں کے جائز حقوق کی نگہداشت کریں اور احکام شریعت کے مطابق جدوجہد کریں۔ حضرت امیر ملّت کے زیر صدارت

اس اعلانِ حق سے مخالفین پاکستان کی صفوں میں کھلبلی مچ گئی۔ مشہور کانگریسی (دیوبندی) مولوی حفظ الرحمٰن نے اپنی بوکھلاہٹ کا بیان کرتے ہوئے کہا ''گزشتہ دنوں ایک بدعتی پیر نے شریک کانگریس کو حرام اوران کو ووٹ دینا حرام اور کانگریس مشرکین و مرتدین کی جماعت ہے قرار دے کر جس طور مسلم لیگیوں کی ہمت افزائی کی وہ تمام شرانگیزی پر مبنی ہے۔

۲۷؍اپریل ۱۹۴۶ء کو آل انڈیا سُنّی کانفرنس کا بنارس (بھارت) میں فقید المثال اور تاریخ ساز آپ کی صدارت میں شروع ہوا، تو کانگریسی علماء نے اپنے ایجنٹ بھیج کر اجلاس کو درہم برہم کرنے کی سازش کی، ایک قرارداد مرتب کی جس میں قائداعظم کو کافر، ملعون اور مرتد قرار دیا گیا اور مطالبہ کیا گیا کہ حضرت امیر ملّت نے قائداعظم کے بارے میں جو تعریفی کلمات فرمائے ہیں وہ واپس لیں ورنہ صدارت سے مستعفی ہو جائیں، آپ نے اس سازش کا دندان شکن دلائل سے جواب دیا کہ کسی کو سامنے سے بولنے کی جرأت نہ ہوئی اور مخالفین اپنا سا منہ لے کر رہ گئے۔

۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو جب آزادی کی صبح طلوع ہوئی اور پاکستان کی شکل میں ہمیں سورج سے زیادہ روشن منزل مل گئی تو حضرت امیر ملّت نے حضرت قائداعظم اور دوسرے زعماء کو مبارکباد کے تار ارسال کیے، قائداعظم کے مبارکباد کے تار میں تحریر فرمایا: ''ملک گیری آسان ہے، ملک داری مشکل ہے، اللہ تعالیٰ آپ کو ملک داری کی توفیق عطا فرمائیں''۔ (ملخصاً از ماہنامہ ضیائے حرم، لاہور، اگست ۱۹۹۷ء/ ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ، جلد نمبر ۲۷، شمارہ ۱۰، ص ۳۵۔۴۴)

۳۰؎ جیسا کہ پہلے ذکر کر دیا گیا کہ آل انڈیا سُنّی کانفرنس کی بنیاد اوائل ۱۹۲۵ء میں رکھی گئی، اس کا پہلا اجلاس شعبان المعظم ۱۳۴۳ھ/ مارچ ۱۹۲۵ء کو مرادآباد میں ہوا اگرچہ سُنّی کانفرنس کی ابتداء بقول محقق و مؤرّخ علامہ نسیم احمد صدیقی کے ۱۸۹۷ء کو بمقام پٹنہ بہار میں ہوئی جہاں مخدوم امین احمد منیری کی صدارت میں یہ کانفرنس منعقد ہوئی جس کے روح رواں امام اہلسنّت امام احمد رضا محدِّث بریلوی اور علامہ عبدالقیوم تھے جس میں محدِّث بریلوی نے دوقومی نظریہ پیش کیا، دوسری سُنّی کانفرنس ۱۱ جمادی الأخریٰ ۱۳۳۹ھ/ ۲۰ فروری ۱۹۲۱ء کو بمقام مسجد بی بی جی بریلی شریف منعقد ہوئی اور اسی سال امام اہلسنّت کا وصال ہوا، (ملخصاً از سُنّی کانفرنسوں کا تاریخی تسلسل) پھر ۱۹۲۵ء میں آل انڈیا سُنّی کانفرنس کی بنیاد رکھی گئی جس کے تحت ملک کے طول و عرض میں دوقومی نظریہ کی حمایت اور الگ وطن کے حصول کے لئے عوام کو بیدار کرنے اور ان کو بدعقیدگی اور بدعملی سے روکنے کے لئے تسلسل کے ساتھ کانفرنسیں منعقد ہوئیں اُن میں سے چند درج ذیل ہیں:

صفر المظفر ۱۳۴۴ھ/ ۱۹۲۵ء اجمیر مقدس میں، ۱۳ تا ۱۵ ذوالقعدہ ۱۳۴۵ھ/ ۱۶ تا ۱۸ مئی ۱۹۲۷ء کو ضلع مظفر پور (بہار) میں، ۱۶ صفر ۱۳۴۷ھ/ ۳ اگست ۱۹۲۸ء کو مرادآباد میں، ۲۰ تا ۲۲ ربیع الثانی ۱۳۴۹ھ/ ۲۰ تا ۲۲ مئی ۱۹۳۰ء کو بہرال ضلع مالدہ بنگال میں، شعبان المعظم ۱۳۴۹ھ/ دسمبر ۱۹۳۰ء میں بنارس میں، ۱۳۵۴ھ/ ۱۹۳۵ء میں بدایون میں اور ۱۹، ۲۰ شعبان المعظم ۱۳۵۸ھ/ ۳، ۴؍اکتوبر ۱۹۳۹ء مرادآباد میں، ''آل انڈیا سُنّی کانفرنس'' کے اجلاس منعقد ہوئے، پھر ۱۳۶۴ھ/ ۱۹۴۵ء میں ''آل انڈیا سُنّی کانفرنس'' کی نشاۃ ثانیہ ہوئی، اور صدارت کے لئے امام اہلسنّت امام احمد رضا کے خلف اصغر مفتی اعظم ہند مصطفیٰ رضا خان کا نام پیش ہوا جسے باتفاق رائے منظور کر لیا گیا۔ ۳، ۴، ۵، ۶ شعبان المعظم ۱۳۶۴ھ/ ۱۴، ۱۵، ۱۶، ۱۷ جولائی ۱۹۴۵ء کو مرادآباد میں، جمعہ تا اتوار ۶ تا ۸ شوال المکرّم ۱۳۶۴ھ/ ۱۴ تا ۱۶ ستمبر ۱۹۴۵ء کو دارالعلوم انجمن حزب الاحناف ہند، لاہور، صوبہ پنجاب میں، ۱۳ شوال المکرّم ۱۳۶۴ھ/ ۲۱ ستمبر ۱۹۴۵ء کو دہلی میں، ذوالقعدہ ۱۳۶۴ھ/ اکتوبر ۱۹۴۵ء کو مین پوری میں، جمعہ، ہفتہ کے روز ۲۵، ۲۶ ذوالقعدہ ۱۳۶۴ھ/ ۲، ۳ نومبر ۱۹۴۵ء کو ضلع گجرات میں، اکتوبر ۱۹۴۵ء کو بدایون میں، ۳۱ اکتوبر ۱۹۴۵ء کو مرادآباد میں، ۶ نومبر ۱۹۴۵ء کو صوبہ دہلی میں، ۱۹ ذوالحجہ ۱۳۶۴ھ/ ۲۰ نومبر ۱۹۴۵ء کو مبارک پور، = ضلع اعظم گڑھ میں، ۱۱؍اکتوبر ۱۹۴۵ء کو پیلی کوٹھی بنارس میں، نومبر ۱۹۴۵ء کو مدن پورہ (مقامی) میں، ۲ نومبر ۱۹۴۵ء کو امرتسر میں، ۲۱ نومبر ۱۹۴۵ء کو کالپی ضلع جالون میں، ۲۱ تا ۲۵ نومبر ۱۹۴۵ء کو احاطہ خانقاہ رشیدیہ مین پوری میں، ۲۳ نومبر ۱۹۴۵ء کو فتح پور کی مسجد ضلع بھاگل پور میں، ۲۰ نومبر ۱۹۴۵ء کو سلطان پور ضلع بھاگل میں، ۲ دسمبر ۱۹۴۵ء کو جھانسی میں، یکم محرم الحرام ۱۳۶۵ھ/ ۷ دسمبر ۱۹۴۵ء کو قصبہ جین پور ضلع اعظم گڑھ میں، ۵ محرم الحرام ۱۳۶۵ھ/ ۱۱ دسمبر ۱۹۴۵ء کو پاکپتن میں، ۱۲ دسمبر ۱۹۴۵ء کو فتح پور ضلع بھاگل پور میں، انہی دنوں قصبہ گھوسی ضلع اعظم گڑھ میں، ۵ محرم الحرام ۱۳۶۵ھ/ ۱۱ دسمبر ۱۹۴۵ء کو پاٹیکا بلڈنگ بمبئی میں، ۳۰ دسمبر ۱۹۴۵ء کو قصبہ چراگاؤں ضلع جھانسی میں، ۲۲ دسمبر ۱۹۴۵ء کو قصبہ متو ناتھ بھنجن میں، ۲۳ محرم الحرام ۱۳۶۵ھ/ ۲۸ دسمبر ۱۹۴۵ء کو چتوڑ گڑھ میواڑ میں، محرم الحرام ۱۳۶۵ھ میں امبا باڑی کالا چوکی بمبئی میں، ۲۸ دسمبر ۱۹۴۵ء کو کچھی مسجد چاندور بازار، ضلع امراؤتی میں، ۵، ۶ جنوری ۱۹۴۶ء کو انکس ضلع ہگلی بنگال میں، ۲ صفر ۱۳۶۵ھ/ جنوری ۱۹۴۶ء کو بدایوں شہر کے مضافات میں، ۱۲ جنوری ۱۹۴۶ء کو دلیاہی روڈ جبل پور (سی پی) میں، ۸ جنوری ۱۹۴۶ء کو ضلع گجرات پنجاب میں، جنوری ۱۹۴۶ء کو قصبہ منوہر ضلع کوٹہ (ریاست راجپوتانہ) میں، ۵ جنوری ۱۹۴۶ء کو ضلع وردہا کی میں، ۲۲ جنوری ۱۹۴۶ء کو جامعہ عربیہ ناگپور صوبہ سی پی و برار میں، ۱۷ جنوری ۱۹۴۶ء کو سہسرام میں، ۱۷ فروری ۱۹۴۶ء کو دائرہ شاہ محمد اللہ آباد میں، ۸ فروری ۱۹۴۶ء کو ایڈاپلی (ٹرانکور) میں، ۱۱ فروری ۱۹۴۶ء کو چنبڑ تحصیل ٹنڈو الہیار (سندھ) میں، ۱۵، ۱۶، ۱۷ فروری ۱۹۴۶ء کو

شہر اروائی میں، ۷ اصفر المظفر ۱۳۶۵ھ/ ۲۱ جنوری ۱۹۴۶ء کو قصبہ پھپھوند ضلع اٹاوہ میں، ۱۱ تا ۱۴ فروری ۱۹۴۶ء کو دائرہ ملا محمد شاہ محلہ کوہن ٹولہ الہ آباد میں ۲۱ ربیع النور ۱۳۶۵ھ/ ۲۳ فروری ۱۹۴۶ء کو قصبہ اریاں ضلع فتح پور ہسوہ میں، ۲۶ فروری ۱۹۴۶ء کو جامع مسجد حنفیہ دھمتری ضلع ناگپور (سی پی) میں، ۲۶ فروری ۱۹۴۶ء میں موضع لال کرتی ضلع الہ آباد میں، ۱۹ فروری ۱۹۴۶ء کو جالون میں، فروری ۱۹۴۶ء میں پالی میں، ۲۶ فروری ۱۹۴۶ء کو قصبہ کلپاڑہ ضلع ہمیر پور میں، اسی ماہ میں قصبہ پنواڑی ضلع ہمیر پور میں، ۲۰ فروری ۱۹۴۶ء کو مہگاواں ضلع بھاگل پور میں، ۶ مارچ ۱۹۴۶ء کو ضلع باندا میں، ۱۱ فروری ۱۹۴۶ء کو پھپھوند میں، ۲۰ فروری ۱۹۴۶ء کو قصبہ مودہاہ میں، ۱۱ ربیع الآخر ۱۳۶۵ھ/ ۱۵ مارچ ۱۹۴۶ء کو اٹاوہ میں، ۱۱ ربیع الاول ۱۳۶۵ھ/ ۱۵ مارچ ۱۹۴۶ کو خانقاہ سربیلہ == میں، مارچ ۱۹۴۶ء میں فتح پور ہسوا (ضلع بدایوں) میں، ۲۱، ۲۲ مارچ ۱۹۴۶ء کو خانقاہ سجادیہ شیشن گڑھ ضلع بریلی میں، ۲۵ مارچ ۱۹۴۶ء کو یوپی کے مرکزی مقام الہ آباد شہر میں، ۱۱ اپریل ۱۹۴۶ء کو سہرام صوبہ بہار میں، ۶ اپریل ۱۹۴۶ء کو جامعہ مسجد گوٹی گاؤں (سی پی) میں، ۱۴ر اپریل ۱۹۴۶ء کو کوالہڑ ضلع سیالکوٹ میں، ۱۴ جمادی الاولیٰ ۱۳۶۵ھ/ ۱۶ اپریل ۱۹۴۶ء کو قصبہ ادری ضلع اعظم گڑھ میں، ۱۱ جون ۱۹۴۶ء کو برہان پور (سی پی) میں، ۱۵ جون ۱۹۴۶ء کو مالی گاؤں میں، ۲۰ تا ۲۲ رجب المرجب ۱۳۶۵ھ/ ۲۱ تا ۲۳ جون ۱۹۴۶ء کو ضلع بدایون میں، ۳ مئی ۱۹۴۶ء کو بادشاہی مسجد لاہور میں، ۴ مئی ۱۹۴۶ء کو اسلامیہ کالج لاہور میں، ۲۰ مئی ۱۹۴۶ء کو پھپھوند ضلع اٹاوہ میں، ۱۶ اپریل ۱۹۴۶ء کو نئی بستی آگرہ میں، ۱۹ اپریل ۱۹۴۶ء کو کچھوچھا شریف، ضلع فیض آباد میں، ۲۰ اپریل ۱۹۴۶ء کو کچھوچھا شریف میں (دوسرا جلسہ)، ۲۲ اپریل ۱۹۴۶ء کو گنج بازار ضلع بہرائچ میں، ۲۲ اپریل ۱۹۴۶ء کو درگاہ بابا قاسم چنار میں، ۱۰ اپریل ۱۹۴۶ء کو بیٹھک خانہ روڈ سی بگاں کلکتہ میں، ۱۶ اپریل ۱۹۴۶ء کو راجہ بازار کلکتہ میں، ۱۷ اپریل ۱۹۴۶ء کو ہوڑہ میں، ۲۲ اپریل ۱۹۴۶ء کو پارسی بگاں کلکتہ میں، ۲۱ اپریل ۱۹۴۶ء کو انکس ضلع ہگلی میں، ۱۷، ۱۸ جمادی الاولیٰ ۱۳۶۵ھ/ ۱۹، ۲۰ اپریل ۱۹۴۶ء کو مبارک پور ضلع اعظم گڑھ میں، ۲۷ تا ۳۰ اپریل ۱۹۴۶ء/ جمادی الاولیٰ ۱۳۶۵ھ کو بنارس میں چار بڑے اجتماعات ہوئے جس کی تیاری ایک عرصے سے جاری تھی، ”جس میں پانچ سو مشائخ عظام، سات ہزار علماء کرام اور دو لاکھ سے زیادہ عوام نے شرکت کی، اس کانفرنس میں قیامِ پاکستان کی پُر زور حمایت کی گئی اور علماء ومشائخ سے عہد لیا گیا کہ وہ اپنے اپنے حلقہ اثر میں پاکستان کے قیام کے لئے ہر ممکن کوشش کریں گے۔ (حقائق نامہ دار العلوم دیوبند، ص ۳۶، تحقیق ڈاکٹر کوکب نورانی اوکاڑوی) ۳ مئی ۱۹۴۶ء کو ریاست دادوں ضلع اعظم گڑھ میں، ۷ رجب ۱۳۶۵ھ/ ۷ جون ۱۹۴۶ء کو چتوڑ میں، ۸ رجب المرجب ۱۳۶۵ھ/ ۸ جون ۱۹۴۶ء کو چتوڑ میں دوسرا اجلاس، ۳۰ جون ۱۹۴۶ء کو کانپور میں، ۱۹، ۲۰، ۲۱ جون ۱۹۴۶ء کو ریاست ریوا میں، ۲، ۳، ۴ جولائی ۱۹۴۶ء کو جامعہ نعیمیہ مراد آباد میں، ۵، ۶، ۷ جولائی ۱۹۴۶ء کو مدرسہ اجمل العلوم سنبھل مراد آباد میں، ۸، ۹، ۱۰ جولائی ۱۹۴۶ء کو جامع مسجد چندوسی ضلع مراد آباد میں، جولائی ۱۹۴۶ء میں بلند شہر، اوائل مئی ۱۹۴۶ء میں مبارک پور ضلع اعظم گڑھ میں، مئی ۱۹۴۶ء میں ضلع باندا کے موضع ہڈیا اور موضع کبوئی مے اگست ۱۹۴۶ء میں ضلع بدایون کے سات محلوں میں، ۱۶ اگست ۱۹۴۶ء کو جامع مسجد شمسی بدایون میں، ۲۳ اگست ۱۹۵۴ء کو مسجد مذکور میں، ۲۶ اگست ۱۹۴۶ء/ ۲۸ رمضان ۱۳۶۵ھ قصبہ راٹھ میں، ۱۱ شوال المکرم ۱۳۶۵ھ/ ۸ ستمبر ۱۹۴۶ء کو مین پوری میں، ۲۹ ستمبر ۱۹۴۶ء کو جے پور میں، ۵، ۶ رجب المرجب ۱۳۶۵ھ/ ۷، ۸ جون ۱۹۴۶ء کو اجمیر شریف میں، ۱۱، ۱۲، ۱۳ اکتوبر ۱۹۴۶ء کو عیدگاہ بندر روڈ کراچی میں (علامہ شاہ عبد العلیم صدیقی کی زیر صدارت بزم سید سندھ کے زیر اہتمام منعقد ہوئی جس میں مجاہد ملت مولانا عبد الحامد بدایونی، مولانا ظہور الحسن درس، مولانا غلام رسول قادری، پیر طریقت محمد قاسم مشوری، پیر محمد ہاشم جان سرہندی اور پیر غلام مجدد سرہندی ٹیاری والے وغیرہم شریک ہوئے۔ سُنّی کانفرنس کا تاریخی تسلسل، ص ۳۸)، ۸، ۹، ۱۰ ذو القعدہ ۱۳۶۵ھ/ ۴، ۵، ۶ اکتوبر ۱۹۴۶ء کو مسجد وزیر خان لاہور میں، ۱۱، ۱۲، ۱۳ اکتوبر ۱۹۴۶ء کو جامع مسجد میاں محمد جان امرتسر میں، مارچ ۱۹۴۶ء میں مدرسہ عربیہ اسلامیہ انوار العلوم ملتان میں، ۱۶ فروری ۱۹۴۷ء کو بزم پاکستان کے زیر اہتمام ریاست رام پور میں، ۱۰ فروری ۱۹۴۷ء کو جالون میں، یکم ربیع الثانی ۱۳۶۶ھ/ ۲۳ فروری ۱۹۴۷ء کو کھرسیاں گنج ریاست رائے گڑھ میں، ۱۵ فروری ۱۹۴۷ء کو نخاس کہنہ الہ آباد میں، ۱۱ ربیع الآخر ۱۳۶۶ھ/ ۵ مارچ ۱۹۴۷ء کو رنالہ الہ آباد میں، ۱۸ مارچ ۱۹۴۷ء کو احمد گنج الہ آباد میں، ۲۰ مارچ ۱۹۴۷ء جامع مسجد رائے گڑھ میں، ۱۶ تا ۱۸ اپریل ۱۹۴۷ء جامعہ عربیہ ناگپور میں، ۲۰، ۲۱ اپریل ۱۹۴۷ء کو دین نگر پور ضلع مراد آباد میں، ۱۵ تا ۱۷ جمادی الاولیٰ ۱۳۶۶ھ/ ۸ تا ۱۰ اپریل ۱۹۴۷ء کو سربیلہ تھانہ سمری بختیار پور ضلع مونگیر صوبہ بہار میں، ۱۷ تا ۱۹ جون ۱۹۴۷ء کو جامعہ نعیمیہ مراد آباد میں، ۲۹ تا ۳۱ مارچ ۱۹۴۷ء کو پھاٹک جشن خان دہلی میں، ۳۱ دسمبر ۱۹۴۵ء تا ۲ جنوری ۱۹۴۶ء میرٹھ میں، ۲۶ اکتوبر ۱۹۴۵ء کو مبارک پور اعظم گڑھ میں، ۱۵ ربیع الآخر ۱۳۶۵ھ/ ۱۹ مارچ ۱۹۴۶ء کو مدرسہ اسلامیہ گھوڑ روڈ ضلع مونگیر میں، ۷ مئی ۱۹۴۷ء کو ضلع اعظم گڑھ میں۔

ان اجتماعات اور اجلاسوں کے ذریعے مشائخ وعلماء اہلسنّت نے دو قومی نظریہ کی اشاعت کی اور تحریک پاکستان میں اور قیام پاکستان کی منزل کو قریب سے قریب تر لانے میں مسلم لیگ اور محمد علی جناح کا بھرپور ساتھ دیا اور آزادیٔ وطن کے لئے اہلسنّت کے مشائخ اور علماء نے اپنی تمام توانائیاں صرف کیں اور کسی بھی قربانی سے گریز نہیں کیا، اس جدوجہد میں خود بھی شامل رہے اور اپنے تمام تر مریدین، معتقدین، اور متعلقین کو قیام پاکستان

کی جدوجہد میں مسلم لیگ کا ساتھ دینے کے لئے سختی سے پابند کیا، اور یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ جسے تسلیم کئے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے، خود بانیِ پاکستان نے بھی اس حقیقت کا اقرار کیا ار بین الاقوامی مؤرّخ ڈاکٹر قریشی نے ان الفاظ سے اقرار کیا، چنانچہ خواجہ رضی حیدر لکھتے ہیں کہ اب تحریکِ پاکستان میں علماء کی اجتماعی جدوجہد بات چل نکلی تو سُنّی کانفرنسوں کے انعقاد سے تحریکِ پاکستان کو جو تقویت پہنچی اس پر بھی ڈاکٹر صاحب نے اظہار خیال فرمایا، مولانا نعیم الدین مرادآبادی، سید محمد مُحدِّث کچھوچھوی، مولانا عبدالحامد بدایونی اور دیگر علماء نے سُنّی کانفرنسیں منعقد کر کے تحریکِ پاکستان کی حمایت کی اور اپنے مکتبِ فکر کے علماء اور عوام کو اس کی حمایت پر آمادہ کیا، یقیناً ان علماء کی اس جدوجہد سے تحریکِ پاکستان کو تقویت پہنچی کیونکہ ان علماء کا اثر تھا اور کافی تھا۔ (دو قومی نظریہ کے حامی علماء اور ڈاکٹر قریشی، ص۲۲)

یہ تو تھے سُنّی علماء و مشائخ، دوسری طرف دیوبند کے علماء جو نہ صرف قیامِ پاکستان کے مخالف تھے بلکہ عوام کے ایک طبقے کو علماء اسلام سے بیزار کرنے کے بھی ذمہ تھے، چنانچہ ڈاکٹر قریشی فرماتے ہیں: ایک طبقہ ایسا تھا جو مولویوں سے بیزار تھا اور سیاسی طور پر قائد اعظم کا ہمنوا تھا، مولویوں سے بیزاری کا سبب بھی دراصل یہی تھا کہ علماء دیوبند کی طرف سے انہیں مایوسی ہوئی تھی۔ (دو قومی نظریے کے حامی علماء اور ڈاکٹر قریشی، ص۲۲)

ایک طبقہ کی مایوسی کی وجہ بظاہر تو یہی ہے کہ علماء دیوبند نے اپنوں کو چھوڑ کر غیروں کا ساتھ دیا، آزادی کو چھوڑ کر پہلے انگریزوں کی غلامی کو قبول کیا پھر جب انگریز نے اس سرزمین سے جانے کا تہیہ کر لیا تو انہوں نے ہندوؤں کی غلامی کو قبول کیا اور مختلف تحریکیں اور جماعتیں قائم کر کے عوام المسلمین کو ہندوؤں کی غلامی کی زنجیر میں جکڑنے کی بھرپور سعی کی، اس میں خاص طور پر مولوی حسین احمد مدنی دیوبندی، مفتی کفایت اللہ دیوبندی، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا مودودی، عطاء اللہ شاہ بخاری وغیرہم شامل رہے۔ پھر دارالعلوم دیوبند کے علماء نے اگر مسلم لیگ کی حمایت کا ارادہ ظاہر کیا تو اس کے لئے اس دَور میں پچاس ہزار روپے مانگ لئے، چنانچہ پاکستان کے مشہور مؤرّخ خواجہ رضی حیدر نقل کرتے ہیں کہ ”۸ جون کو آل انڈیا مسلم لیگ کونسل اور مرکزی پارلیمینٹری بورڈ کے اجلاس لاہور میں منعقد ہوئے...... ان اجلاسوں میں مولانا حسین احمد مدنی (دیوبندی)، مفتی کفایت اللہ (دیوبندی) اور مولانا احمد سعید (دیوبندی) نے بھی خطاب کیا اور انہوں نے کہا دیوبند کا ادارہ اپنی تمام خدمات لیگ کے لئے پیش کر دے گا بشرطیکہ پروپیگنڈہ کا خرچہ لیگ برداشت کرے۔ اس کام کے لئے پچاس ہزار (۵۰,۰۰۰) روپے کی رقم طلب کی گئی جو لیگ کی استعداد سے باہر تھی، اس لئے محمد علی جناح نے اس مطالبہ کو مسترد کرتے ہوئے کہا کہ نہ اتنا سرمایہ لیگ کے فی الوقت موجود ہے اور نہ ہی اس کا مستقبل میں امکان ہے، اس لئے صرف قومی جذبہ کے پیشِ نظر کام کیا جائے، مرزا ابوالحسن اصفہانی نے لکھا ہے کہ ان علماء (دیوبند) کو اس سے (۵۰,۰۰۰ روپے نہ ملنے سے) مایوسی ہوئی اور وہ رفتہ رفتہ کانگریس کی طرف ڈھلنے لگے اور کانگریس پارٹی کے لئے پرچار کرنے لگے، جو ظاہر ہے کہ ان کے مالی تقاضے پورے کر سکتی تھی“۔ بحوالہ مرزا ابوالحسن اصفہانی، ص۳۰ (قائد اعظم کے ۲۷ سال، ص۳۰۲_۳۰۳)

اور خود یہ لوگ قیام پاکستان کے مخالف رہے اور تحریکِ پاکستان میں شامل رہنماؤں کو سرِعام گالیاں دیتے رہے، خود مسلم لیگ کی حمایت سے دست بردار رہے اور حمایت کرنے والوں کو سور اور نہ جانے کیا کچھ کہتے رہے، پاکستان کو پلیدستان، ناپاکستان، خاکستان اور نہ جانے کن کن ناموں سے یاد کرتے رہے، بہرحال یہ سب کچھ سبب بنا اس طبقہ کے علماء سے بیزار ہونے کا اگرچہ یہ اس طبقہ کی کج فہمی اور نادانی کے سوا کچھ نہ تھا۔

۱؎ یہ اشعار ڈاکٹر اقبال کے مجموعۂ کلام ”ارمغانِ حجاز“ میں موجود ہیں، جن کا ترجمہ یہ ہے کہ ”عجمی ابھی تک رموزِ دین سے بے خبر ہیں ورنہ دیوبند سے حسین احمد، یہ کیا ہی عجب شخص ہے بر سرِ منبر راگ الاپتا ہے کہ ملّت وطن سے بنتی ہے وہ محمد عربی کے مقام سے کتنا بے خبر ہے (کہ حضور نے بھی دو قومی نظریہ پیش کیا، مسلمان ایک قوم ہیں اور کفار دوسری) اپنے آپ کو مصطفیٰ ﷺ تک پہنچا (اے نادان ان کی غلامی کر) کہ دین تو آپ ہی کی ذات ہے اگر آپ تک نہیں پہنچے گا تو تیرا دین، دینِ مصطفیٰ کی بجائے دینِ ابولہب ہوگا (تحریک پاکستان اور علمائے حق، ص۱۰)

۲؎ جب کہ اہلسنّت وجماعت کے علماء کا نظریہ تھا کہ ملّت و قوم کی تعمیر دین سے ہوتی ہے چنانچہ ۱۲ دسمبر ۱۹۴۵ء کو حضرت مولانا محمد عارف اللہ قادری میرٹھی خطیب خیر المساجد میرٹھ کے تاریخی خطاب کا یہ اقتباس ملاحظہ ہو ”اخبار دبدبہ سکندری“ کی رپورٹ میں ہے: ”مولانا موصوف نے نظریۂ قومیت پر بھی روشنی ڈالی اور بتایا کہ مسلمان قوم کی تعمیر وطن، نسل، رنگ، زبان وغیرہ امتیازات کو چھوڑ کر دین سے ہوتی ہے“۔ (اخبار دبدبہ سکندری، مجریہ ۲۵ محرم الحرام ۱۳۶۵ھ/ ۳۱ دسمبر ۱۹۴۵ء، ص ۵) اس سے صاف ظاہر ہے کہ اہلسنّت کا نظریہ تھا کہ دین مقدّم ہے اس کے مقابلے میں نہ وطن مقدّم ہے اور نہ رنگ و نسل و زبان۔ جب کہ مولوی حسین احمد مدنی دیوبندی اور اس ہم مشرب مولویوں کا عقیدہ وہی تھا جو اس نے کہا کہ ”قومیں اوطان سے بنتی ہیں مذہب سے نہیں بنتیں“۔

۴۳؎ اور اسی کے متعلق ظفر علی خان نے کہا تھا:

کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ ملّت ہے حالانکہ فرمودۂ شاہِ دوسرا اور
وطن سے

ظفر علی خان کا یہ شعر ”چمنستان“ (۱۲۲) میں موجود ہے۔ (حقائق نامہ دار العلوم دیوبند، ص۴۰) اور اسی کے متعلق خان اصغر حسین خان نظیر لدھیانوی نے کہا تھا:

ہاں حسین احمد ہی شیخ الہند تھا کل تک ضرور آج ہے لیکن مقامِ مصطفیٰ سے بے خبر
مسجد نبوی میں جو کل تک رہا گرم سجود واردھا سے آشرم میں جھک گیا آج اس کا سر

(تحریک پاکستان، ص۳۹۰) (حقائق نامہ دار العلوم دیوبند، ص۴۰)

اور انہی دنوں چوہدری عبد المجید نے گوجرانوالہ ایک نظم بعنوان ”گاندھی کے مولانا“ ۱۴ / اگست ۱۹۴۵ء کے اخبار ”نوائے وقت“ میں شائع کروائی اس کے دو بند ملاحظہ ہوں:

پیغمبر کے تم ہی جانشین تھے اس اُمت کے تمہیں تاج نگین تھے
تمہیں تو حامل شرع مبین تھے تمہیں تو مشعلِ ایمان و دین تھے
مگر اب دین باقی ہے نہ ایمان مسلمان آپ کے ہاتھوں ہے نالاں
ذرا تو سوچیے اسلاف کیا تھے وہ اُمت کے حقیقی رہنما تھے
وہ ملّت پہ دل و جان سے فدا تھے وہ محبوبِ خدا و مصطفیٰ تھے
مگر آپ ہیں گاندھی جی کے محبوب وہ طالب آپ کے آپ اُن کے مطلوب

(حقائق نامہ دار العلوم دیوبند، ص۴۰۔۴۱)

۴۴؎ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی کا تعارف: تحریک پاکستان کے رہنما، ممتاز ماہر تعلیم اور بین الاقوامی شہرت یافتہ مؤرّخ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی رئیسہ ضلع ماہریرہ (یوپی) میں ۲۰ نومبر ۱۹۰۳ء کو پیدا ہوئے، اور ۱۹۲۶ء میں تاریخ میں یونیورسٹی آف دہلی سے بی اے آنرز کیا اور ۱۹۲۸ء میں اسی یونیورسٹی سے تاریخ میں ایم اے کیا، اور ۱۹۲۹ء میں اسی یونیورسٹی سے فارسی میں ایم اے کیا، اور ۱۹۳۹ء میں یونیورسٹی آف کیمبرج (برطانیہ) سے تاریخ میں ڈاکٹریٹ کیا، اور مختلف یونیورسٹیز میں مختلف عہدوں پر فائز رہے۔ آپ کو اردو، انگریزی، فارسی، عربی، اطالوی، فرانسیسی زبان پر یکساں قدرت حاصل تھی خصوصاً اردو اور انگریزی پر بے پناہ مہارت رکھتے تھے۔ تحریکِ پاکستان میں بذاتِ خود شامل رہے، انہوں نے اس عہد کی تاریخ کو اپنی آنکھوں سے بنتے دیکھا، اور وہ ایک بالغ نظر صاحب الرائے بلکہ تاریخ نویسی میں مجتہدانہ صلاحیتوں کے حامل تھے اور اُن کا شمار قائد اعظم کے معتمد ترین ساتھیوں میں ہوتا تھا۔ خبر رساں ایجنسی اے پی پی کی ایک اطلاع کے مطابق ۱۹۳۰ء میں جو رہنما قائد اعظم کو ہندوستان واپسی پر آمادہ کرنے برطانیہ گئے اُن میں ڈاکٹر صاحب بھی شامل تھے۔ مسلم لیگ کی تنظیم نَو کے بعد قائد اعظم کی اہم تقاریر ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی لکھا کرتے تھے، اسی طرح لیاقت علی خان کی تقاریر بھی ڈاکٹر قریشی نے لکھی تھیں، ایک روایت کے مطابق ”قراردادِ مقاصد“ کا مسودہ بھی ڈاکٹر قریشی نے تیار کیا اور اردو میں اس کا مستند ترجمہ بھی انہوں نے ہی کیا اور ۲۲ جنوری ۱۹۸۱ء اسلام میں انتقال ہوا، اور ۲۳ جنوری کو کراچی میں آپ کی نمازِ جنازہ خیر آبادی مکتبۂ فکر کے روشن چراغ مولانا منتخب القادری نے پڑھائی، سبزی منڈی کے قریب واقع قبرستان میں سپرد خاک ہوئے۔ (دوقومی نظریہ اور ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی، مطبوعہ: سورتی اکیڈمی، کراچی)

ڈاکٹر قریشی کے انتقال پر تحریکِ پاکستان کے عظیم رہنما مولانا عبد الستار خان نیازی نے فرمایا کہ ”وہ تحریکِ پاکستان کے رہنما، ماہر تعلیم، اردو کے خدمتگار اور اسلامی اقدار کو قومی سطح پر فروغ دینے کے زبردست حامی تھے، انہوں نے تحریک بحالی جمہوریت اور تحریکِ نظام مصطفیٰ میں جو نمایاں کردار انجام دیا وہ ہمیشہ یادگار رہے گا“۔ (دوقومی نظریہ اور ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی، ص۴۶)

”تخلیق پاکستان اور علماء اہلسنّت“ کے مصنف حضرت علامہ سید شاہ تراب الحق قادری نے فرمایا کہ ”وہ ایک عظیم کردار شخصیت کے مالک تھے، ان کی حبّ الوطنی مثال تھی...... کراچی میں یوم رضا کی تقریب سے خطاب کرتے ہوئے دوقومی نظریہ کے حامی علماء کی تحریکِ پاکستان کے سلسلہ میں جو فضیلت بیان کی تھی، اس سے ایک مستقل تاریخی بددیانتی کا ازالہ ہوا، خصوصاً ڈاکٹر قریشی نے اپنی کتاب ”علماء اِن پالیٹکس“ میں فاضل بریلوی اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان کے دوقومی نظریہ کی ترویج و اشاعت کے سلسلہ میں خدمات کا جس مستحسن انداز میں تذکرہ کیا ہے، وہ ہمارے تذکرہ نویسوں اور مؤرّخین کے لئے اظہارِ حق کی ایک اعلیٰ مثال ہے۔ (دوقومی نظریہ کے حامی اور ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی، ص۴۷)

۴۵؎ جسے ہفت روزہ ‘‘اُفق’’ کے سابق ایڈیٹر احمد مجاہد نے تحریر کیا اور اسی ہفت روزہ میں ۱۹ مارچ ۱۹۷۸ء میں شائع ہوا) (جیسا کہ دوقومی نظریہ کے حامی علماء اور ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی، انٹرویو۔۲، ص۳۰)

۴۶؎ یہ مذاکرہ ۶ فروری ۱۹۷۸ء کو منعقد ہوا، جسے روزنامہ ‘‘نوائے وقت’’ کے سب ایڈیٹر حاجی احمد مجاہد نے ماہنامہ ‘‘فیضان’’ لاہور کے لئے تحریر کیا، اس مذاکرے کی رپورٹ مارچ ۱۹۷۸ء کے شمارے میں شائع ہوئی تھی، جیسا کتاب ‘‘دوقومی نظریہ کے حامی علماء اور ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی’’ کے عنوان ‘‘ایک یادگار مجلس مذاکرہ’’، ص۳۵ پر ہے۔

۴۷؎ ‘‘ڈاکٹر قریشی نے بھی اس سے انکار کیا ہے ہفت روزہ ‘‘افق’’ میں شائع ہونے والے == انٹرویو میں ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے اس بات کی تردید کی کہ علامہ اقبال اور مولانا حسین احمد مدنی (دیوبندی) کے درمیان اختلافات افہام وتفہیم کے ذریعے طے ہو گئے تھے، بلکہ مولانا مدنی (دیوبندی) نے علامہ اقبال کی تحریروں پر تاویلوں کے انبار لگا دیئے، اس سے بعض لوگ یہ سمجھے کہ وہ اپنے مؤقف سے پیچھے ہٹ گئے تھے جب کہ جمعیت علماء ہند (وہابی دیوبندی علماء کی بڑی تعداد اسی جماعت میں تھی اور یہ جماعت گاندھی اور ہندوؤں کے مؤقف کی حامی تھی اس لئے ڈاکٹر قریشی نے کہا کہ دیوبندیوں کے دوچار علماء کے علاوہ باقی ماندہ حصہ تو ہندوؤں میں مدغم ہو چکا تھا) کے لوگ کبھی اپنے مؤقف (اکھنڈ بھارت) سے پیچھے نہیں ہٹے’’۔ (دوقومی نظریہ کے حامی علماء اور ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی، انٹرویو۔۲، ص۳۰)

اور روزنامہ ‘‘حریّت’’ کے سابق سب ایڈیٹر خواجہ رضی حیدر کے بتاریخ ۲۶ دسمبر ۱۹۷۸ء کو ڈاکٹر قریشی سے لئے گئے انٹرویو میں ہے جسے ۸ جنوری ۱۹۷۹ء کو ہفت روزہ ‘‘اُفق’’ کراچی نے شائع کیا تھا: ‘‘بعض لوگوں کی طرف سے یہ کہا جاتا ہے کہ علامہ ڈاکٹر محمد اقبال اور مولانا حسین احمد مدنی (دیوبندی) میں آخر وقت میں مفاہمت ہو گئی تھی اور اگر ‘‘ارمغانِ حجاز’’ ڈاکٹر محمد اقبال مرتّب کرتے تو وہ اِن اشعار کو اس سے نکال دیتے جو انہوں نے حسین احمد مدنی (دیوبندی) کے بارے میں کہے تھے، ڈاکٹر صاحب نے فرمایا: ‘‘ہمارے پاس جواز ‘‘ارمغانِ حجاز’’ ہے اس میں تو وہ اشعار موجود ہیں، مولانا حسین احمد مدنی (دیوبندی) نے دہلی کی جامع مسجد میں تقریر کرتے ہوئے یہ کہا تھا کہ موجودہ زمانے میں قومیں اَوطان سے بنتی ہیں جب علامہ اقبال سے یہ سنا تو انہوں نے اپنے مشہور اشعار ؎

عجم ہنوز نداند رموز دیں ورنہ

کہے، جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ انہوں نے توجیہات کو قبول کر لیا تھا تو جب تک ہمارے پاس ثبوت نہ ہو ہم کیسے اسے تسلیم کر سکتے ہیں، اقبال کی تحریروں سے یہ کہیں ظاہر نہیں ہوتا کہ ایسی مفاہمت ہو گئی تھی، اگر مفاہمت ہو گئی تھی تو عجیب بات ہے کہ ‘‘ارمغانِ حجاز’’ اُن کی زندگی میں مرتّب ہوئی اور شائع ہوئی، اگر وہ چاہتے تو اشعار نکلوا دیتے، لیکن یہ اشعار اب تک موجود ہیں۔ (دوقومی نظریہ کے حامی علماء اور ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی، انٹرویو۔۱، ص۲۵۔۲۶)

۴۸؎ جدوجہدِ آزادی اور تحریکِ پاکستان کے ممتاز رُکن محمد علی جناح کے معتمد ساتھی اور عالمی شہرت یافتہ مؤرّخ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی نے بھی دیوبندی علماء کے بارے میں یہی کہا کہ چنانچہ ان کے ۲۶ دسمبر ۱۹۷۸ء کے انٹرویو میں ہے: ‘‘دوچار علماء کے علاوہ دیوبندیوں کا باقی ماندہ حصہ تو ہندوؤں میں مدغم ہو چکا تھا’’۔ (دوقومی نظریہ کے حامی علماء اور ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی، ص۲۰)

۴۹؎ یہ آ تو گئے مگر کوئی ان سے پوچھ کر تو دیکھے کہ ان کے ساتھ کیا بیتی چنانچہ ڈاکٹر کوکب اوکاڑوی ‘‘حقائق نامہ دارالعلوم دیوبند’’ (ص۴۱) میں لکھتے ہیں: ‘‘ان علماء دیوبند میں سے جناب شبیر احمد عثمانی نے ضرور قائداعظم کا ساتھ دیا مگر اس جرم کی پاداش میں ان کا جو حشر ہوا وہ خود ان کی زبانِ قلم سے ملاحظہ ہو: ‘‘دارالعلوم دیوبند کے طلباء نے جو گندی گالیاں اور فحش اشتہارات اور کارٹون ہمارے متعلق چسپاں کئے ہیں جن میں ہمیں ابوجہل تک کہا گیا اور ہمارا جنازہ نکالا گیا، دارالعلوم کے طلباء نے میرے قتل تک کے حلف اُٹھائے اور فحش اور گندے مضامین میرے دروازے پر پھینکے کہ اگر ہماری ماں بہنوں کی نظر پڑ جائے تو ہماری آنکھیں شرم سے جھک جائیں، کیا آپ (علماء دیوبند) میں سے کسی نے بھی اس پر ملامت کا کوئی جملہ کہا بلکہ میں کہہ سکتا ہوں بہت سے لوگ اس کمینہ حرکت پر خوش ہوئے تھے’’۔ (مکالمۃ الصدورین، ص۲۱)

قارئین کرام کیا آپ کو معلوم ہے کہ مولانا شبیر احمد عثمانی صاحب کو حمایت پاکستان کی پاداش میں گالیاں دینے والے اور اُن کے قتل کے درپے ہونے والے کون تھے؟ وہ سب کے سب مولانا کے == شاگرد تھے چنانچہ خود ان کا اپنا بیان ملاحظہ جو مکالمۃ الصدورین، ص۳۲۔۳۳، طبع ہاشمی بکڈپو میں ہے: ‘‘دارالعلوم دیوبند کے طلباء نے جو گندی گالیاں اور فحش اشتہارات اور کارٹون ہمارے متعلق چسپاں کئے جن میں ہم کو ابوجہل تک کہا گیا اور ہمارا جنازہ نکالا گیا، آپ حضرات نے اس کا بھی کیا تدارک کیا تھا؟ آپ کو معلوم ہے کہ اس وقت دارالعلوم کے تمام مدرّسین، مہتمم اور مفتی سمیت بالواسطہ یا بلاواسطہ مجھ سے نسبت تلمذ رکھتے تھے’’۔ (تحریکِ نظریۂ پاکستان، ماہنامہ ضیاء حرم لاہور، مجریہ ذوالحجہ ۱۴۰۷ھ، اگست ۱۹۸۷ء، ص۶۲)

اور اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ دیوبندی ذہنیت تحریکِ پاکستان کی کس قدر مخالف تھی، پاکستان کے خلاف ان کے دل ودماغ میں

کس قدر زہر تھا کہ ان کا کوئی اپنا ہم مسلک حتی کہ اپنا استاد بھی اگر تحریکِ پاکستان کی حمایت کرتا ہے تو اُسے بھی گالیاں اور قتل کی دھمکیاں دی جاتی ہیں اگرچہ اس کے حمایت کرنے اور اس طرف آنے میں اُن سب کی فلاح تھی اور وہ اس لئے آیا ہے کہ پاکستان بن جاتا ہے، تو ہماری آڑ میں ان کے لئے بھی پناہ کا سامان ہو سکے۔

یاد رہے کہ مولانا عثمانی نے ''جمعیت علماء ہند'' سے الگ ہو کر انگریز کے ایماء پر ''جمعیت علماء اسلام'' کے نام سے جماعت بنائی تھی او ر پاکستان کی ''جمعیت علمائے اسلام'' وہ ''جمعیت علمائے اسلام'' نہیں جو قیام پاکستان سے قبل قائم کی گئی بلکہ وہ ''جمعیت علماء ہند'' ہے جو تحریک پاکستان کی مخالف اور کانگریس کے ہمنوا تھی جس کا نام بعد میں تبدیل کر دیا گیا، تقسیم سے قبل بننے والی ''جمعیت علماء اسلام'' بھی انگریز کی مدد اور اشارے پر قائم کی گئی تھی، چنانچہ ''مکالمۃ الصدورین'' (ص ۷) میں ہے ''جناب حفیظ الرحمٰن صاحب کی تقریر کا خلاصہ یہ تھا کہ کلکتہ میں ''جمعیت العلمائے اسلام'' حکومت (برطانیہ) کی مالی امداد اور ایماء کے ایمان پر قائم ہوئی ہے''۔ (حقائق نامہ دارالعلوم دیوبند، ص ۴۴)، اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ یہ جماعت بھی انگریز نے اپنے مفادات کی تکمیل کے لئے بنائی ورنہ اُسے اس کے قیام کے لئے مالی امداد دینے کی کیا ضرورت تھی؟۔ کیونکہ انگریز وہیں خرچ کرتا ہے جہاں اس کا کوئی مفاد ہو۔

۵۰ چمنستان، ص ۱۶۵

۵۱ یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں کہ لوگ نہ جانتے ہوں کہ یہ کس نے کہا تھا ہم نے تو بچپن سے اپنے بزرگوں سے سُنا کہ وہابی دیوبندی عقائد رکھنے والے مولویوں نے یہ کہا تھا اہلسنّت کے مخالفین نے یہ زہر اگلا تھا اور اس پر تاریخِ پاکستان پر لکھی جانے والی کتب ورسائل ومضامین گواہ ہیں، سب سے بڑھ کر ''رپورٹ جسٹس منیر تحقیقاتی عدالت'' شاہد ہے جو اس کے الزام نہ ہونے اور حقیقتِ ثابتہ ہونے کیا بیّن ثبوت ہے او ر مزید یہ کہ ہائیکورٹ کے اس فیصلے کو جس میں ان لوگوں پر پاکستان کی مخالفت اور نازیبا کلمات استعمال کرنے کا جرم ثابت ہوا، اس فیصلے کو ایک طویل عرصہ گزر چکا ہے اگر وہ الزام تھا تو ان لوگوں نے اس فیصلے کو اعلیٰ عدالت پر یعنی سپریم کورٹ میں چیلنج کیوں نہ کیا، اور اپنی صفائی کیوں نہ پیش کی، کیسے جاتے سپریم کورٹ اگر جاتے بھی تو اپنی صفائی کیا کہتے، کیا پیش کرتے کہ ان کی پاکستان دشمنی کے ثبوت خود ان کی دینی کتب و رسائل وجرائد میں موجود تھے، اس لئے انہوں نے خاموشی اختیار کرنے میں اپنی عافیت سمجھی کہ خاموش رہا جائے، ایک عرصہ گزرنے کے بعد عوام یہ سب کچھ بھول بھال جائیں گے، پھر نئی نسل کو تو اس کا بالکل علم ہی نہ ہو گا اس طرح سیاست میں ایک مقام حاصل کرنے کے لئے عوام کو گمراہ کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے، اس طرح حکومت ہمارے ہاتھ آجائے گی چنانچہ اس مقام پر وہابیوں، دیوبندیوں کی چند لغویات کو بطور نمونہ پیش کر دیا جاتا ہے، ان میں سے کوئی احراری کہلاتا تھا تو کوئی جمعیت علماء ہند کا رہنما، کوئی کانگریس کا ہمنوا تو کوئی اہلحدیث، کوئی دارالعلوم دیوبند میں استاد تھا تو کوئی طالب علم، کوئی جماعت اسلامی کا بانی تو کوئی اس کا ہمنوا:

۱۔ ''قائداعظم کافرِ اعظم ہے''۔ (ماہنامہ ترجمانِ اہلسنّت، اداریہ، مجریہ دسمبر ۱۹۷۸ء/ محرم الحرام ۱۳۹۸ھ، جلد (۸)، شمارہ (۵)، ص ۲۷۳، لائن ۱) (انگریز اور پاکستان کے حامی ومخالفین علماء کا بیان، ص ۲۳)

۲۔ ''یہ کافرِ اعظم ہے یا قائداعظم'' بحوالہ حیات محمد علی از رئیس احمد جعفری (تحریک پاکستان اور علمائے حق، ص ۹)

۳۔ ''اک کافرہ کے واسطے اسلام چھوڑا''۔ (رپورٹ جسٹس منیر تحقیقاتی عدالت، ص ۱۱، == سطر ۷) (ماہنامہ ترجمان اہلسنّت، اداریہ، مجریہ دسمبر ۱۹۷۸ء/ محرم الحرام ۱۳۹۸ھ، جلد (۸)، شمارہ (۵)، ص ۹۔۱۰) (دیوبندی مذہب، ص ۳۴۴)

۴۔ ''یہ قائداعظم ہے کہ کافرِ اعظم''۔ بحوالہ حیات محمد علی جناح از رئیس احمد جعفری (ماہنامہ ترجمان اہلسنّت، اداریہ، مجریہ دسمبر ۱۹۷۸ء/ محرم الحرام ۱۳۹۸ھ، جلد (۸)، شمارہ (۵)، ص ۹۔۱۰) (دیوبندی مذہب، ص ۳۴۴)

نئی دہلی ۱۷ اکتوبر ۱۹۴۵ء کو مولانا حسین احمد مدنی نے ''قائداعظم'' کو ''کافرِ اعظم'' کا لقب دیا۔ بحوالہ مجموعہ مکالمۃ الصدورین، ص ۴۸ (انگریز اور پاکستان کے حامی ومخالفین علماء کا بیان، ص ۲۲۔۲۳)

۵۔ ''پاکستان پلیدستان ہے''۔ (خطبات احرار، ص ۹۹)

۶۔ ''احرار پاکستان کو ''پلیدستان'' سمجھتے ہیں''۔ بحوالہ خطبات احرار (تحریک پاکستان اور علمائے حق، ص ۹)

۷۔ ''احرار لیڈروں نے اپنی تقریروں میں پاکستان کو پلیدستان بھی کہا''۔ (رپورٹ تحقیقاتی عدالت، ص ۱۰، سطر ۲۵، ص ۲۷۵، سطر ۱)

۸۔ ''کتوں کو بھونکتا چھوڑ دو، کاروانِ احرار کو اپنی منزل کی طرف چلنے دو، احرار کا وطن لیگی سرمایہ دار کا وطن نہیں، احرار اس کو پلیدستان سمجھتے ہیں''۔ (بیان چوہدری افضل حق، مندرجہ خطبات احرار، ص ۹۹) (تحریک پاکستان اور نیشلسٹ علماء، ص ۸۸۴) (دیوبندی مذہب، ص ۳۴۶)

۹۔ مولوی محمد علی جالندھری نے ''تقسیم سے پہلے تقسیم کے بعد پاکستان کے لئے ''پلیدستان'' کا لفظ استعمال کیا۔ بحوالہ رپورٹ تحقیقاتی

عدالت، ص۲۷۵ (انگریز اور پاکستان کے حامی ومخالف علماء کا بیان، ص۲۲۔۲۵)

۱۰۔ دیوبندی مولوی عطاء اللہ شاہ بخاری ۲۷ دسمبر ۱۹۴۵ء کو علی پور کی احرار کانفرنس میں اپنی تقریر میں ڈنکے کی چوٹ پر یہ اعلان کیا کہ
’’مسلم لیگ کے لیڈر بے عملوں کی ٹولی ہیں جنہیں اپنی عاقبت بھی یاد نہیں اور جو دوسروں کی عاقبت بھی خراب کر رہے ہیں اور وہ جس مملکت کی تخلیق
کرنا چاہتے ہیں وہ پاکستان نہیں بلکہ ’’خاکستان‘‘ ہے‘‘۔ بحوالہ رپورٹ تحقیقاتی عدالت، ص۲۷۳ (مخالفین پاکستان، ص۳۷) ۱۱۔ عطاء اللہ شاہ
بخاری نے علی پور کی احرار کانفرنس میں کہا: ’’...... مسلم لیگ کے لیڈر...... جس مملکت کی تخلیق کرنا چاہتے ہیں وہ پاکستان نہیں ’’خاکستان‘‘ ہے‘‘۔
بحوالہ رونامہ ملاپ، ۲۷ دسمبر ۱۹۴۵ء، اور استقلال نمبر روز نامہ جدید، ۱۹۵۰ء (انگریز اور ان کے حامی ومخالف علماء کا بیان، ص۲۴)

دیوبندیوں اور مودودی تو ’’پاکستان‘‘ کو پلیدستان، ناپاکستان، اور خاکستان کے نام سے یاد کرتے تھے جب کہ اہلسنّت و جماعت کے مشہور عالمِ دین اور اپنے وقت کے بہترین مقرر حضرت علامہ مولانا ابوالنور محمد بشیر صاحب کوٹلوی متحدہ ہندوستان کے دہلی، بمبئی، کلکتہ وغیرہ کے بڑے بڑے اجتماعات میں یہ شعر پڑھا کرتے:

پاک اللہ، پاک احمد، پاک جسم و جان ہو   کیوں نہ رہنے کے لئے بھی مُلکِ پاکستان ہو

(حاشیہ مخالفین پاکستان، ص۳۶)

یہ شعر پڑھ کر دیوبندیوں، وہابیوں، مودودیوں کو بتا دیا کہ ہم جس ملک کے لئے جدوجہد کر رہے ہیں وہ نہ ’’پلیدستان‘‘ ہے اور نہ ’’ناپاکستان‘‘ ہے بلکہ وہ ’’پاکستان‘‘ ہے۔

۱۲۔ احرار کی شریعت کے رہبر مولانا عطاء اللہ بخاری نے امروہہ میں تقریر کرتے ہوئے کہا ’’جو لوگ مسلم لیگ کو ووٹ دیں گے وہ سب سؤر ہیں اور سؤر کھانے والے ہیں‘‘۔ (چمنستان، ص۱۶۵) (ماہنامہ ترجمان اہلسنّت، اداریہ، مجریہ دسمبر ۱۹۷۸ء/ محرم الحرام ۱۳۹۸ھ، جلد (۸)، شمارہ (۵)، ص۹۔۱۰) (دیوبندی مذہب، ص۳۴۵)

۱۳۔ مولانا فضل الرحمٰن کے والد مفتی محمود احمد احراری دیوبندی نے فتویٰ دیا تھا کہ ’’مسلم لیگ کو ووٹ دینے والوں کا نکاح فسخ ہو جائے گا‘‘۔ بحوالہ روزنامہ ندائے ملت لاہور، ۳ جون ۱۹۷۰ء (انگریز اور پاکستان کے حامی ومخالف علماء کا بیان، ص۲۶) (تحریک پاکستان اور علمائے حق، ص۹) (مخالفین پاکستان، ص۳۱)

۱۴۔ دیوبندی امیر شریعت کا اعلان: ’’دس ہزار جناح، شوکت اور ظفر، نہرو کی جوتی کی نوک پر قربان کئے جاسکتے ہیں‘‘۔ (چمنستان، ص۱۶۵) (ماہنامہ ترجمان اہلسنّت، اداریہ، مجریہ دسمبر ۱۹۷۸ء/ محرم الحرام ۱۳۹۸ھ، جلد (۸)، شمارہ (۵)، ص۹۔۱۰) (دیوبندی مذہب، ص۳۴۴) =

= ۱۵۔ لدھیانوی صدر مجلس میرٹھ میں اس قدر جوش میں آئے کہ فرماتے تھے: ’’دس ہزار جینا (محمد علی جناح) اور شوکت (حیات) اور ظفر (علی خان) جواہر لال نہرو کی جوتی کی نوک پر قربان کئے جاسکتے ہیں‘‘۔ بحوالہ چمنستان، ص۱۶۵ (انگریز اور پاکستان کے حامی ومخالفین علماء کا بیان، ص۲۵)

ان کلمات پر ’’نوائے وقت‘‘ ۲۸ دسمبر ۱۹۸۰ء میں تبصرہ شائع کیا کہ: ’’اسے کیا کہئے: کہ ادھر دس ہزار جناح وشوکت وظفر کو ایک دشمنِ اسلام کافر کی جوتی کی نوک پر قربان کیا جارہا ہے، لیکن دوسری طرف پنڈت زادی ’’وجے لکشمی‘‘ کے نزدیک یہی جناح اتنا وزنی و بھاری ہے کہ ’’اگر مسلم لیگ میں ایک سوگاندھی اور دوسوا ابوالکلام آزاد ہوتے ان کے مقابلے میں صرف ایک جناح ہوتے تو ملک کبھی تقسیم نہ ہوتا‘‘۔ (انگریز اور پاکستان کے حامی ومخالف علماء کا بیان، ص۲۵)

۱۶۔ مولوی عطاء اللہ شاہ بخاری نے کہا: ’’پاکستان ایک بازاری عورت ہے ہم نے اسے مجبوراً قبول کیا ہے‘‘۔ (رپورٹ تحقیقاتی عدالت، ص۲۷۵، سطر۴، بیان مولوی عطاء اللہ شاہ بخاری) (دیوبندی مذہب، ص۳۴۶) (انگریز اور پاکستان کے حامی ومخالف علماء کا بیان، ص۲۴)

۱۷۔ عطاء اللہ شاہ بخاری نے پسرو کانفرنس ۱۹۴۶ء میں کہا: ’’پاکستان کا بننا تو بڑی بات ہے کسی ماں نے ایسا بچہ نہیں جنا جو پاکستان کی ’’پ‘‘ بھی بنا سکے‘‘۔ (روزنامہ ’’جدید نظام‘‘ استقلال نمبر، ۱۹۵۰ء) (تحریک پاکستان اور نیشلسٹ علماء، ص۸۸۳) (دیوبندی مذہب، ص۳۴۵)

۱۸۔ ’’ان لوگوں کو شرم نہیں آتی وہ اب بھی پاکستان کا نام جپتے ہیں...... سچ ہے کہ پاکستان ایک خونخوار سانپ ہے جو مسلمانوں کا خون چوس رہا ہے اور مسلم لیگ کی ہائی کمانڈ ایک سپیرا ہے‘‘۔ (آزاد، ۹ نومبر ۱۹۴۶ء) (تحریک پاکستان اور نیشلسٹ علماء، ص۸۸۴) (دیوبندی مذہب، ص۳۴۵)

۱۹۔ ''مسلم لیگ والے سب کے سب اربابِ غرض اور رجعت پسند ہیں لہٰذا ووٹ مسلم لیگ کی بجائے کانگریس کو دیئے جائیں۔'' (ملخصاً چمنستان، ص ۱۵۱) (دیو بندی مذہب، ص ۳۴۴۔۳۴۵)

۱۷۔ نئی دہلی ۲۷/ اکتوبر ۱۹۴۵ء کو مولانا حسین احمد (مدنی دیو بندی) نے مسلم لیگ میں مسلمانوں کی شرکت کو حرام قرار دیا۔ بحوالہ مجموعہ مکالمۃ الصدورین، ص ۴۸ (انگریز اور پاکستان کے حامی ومخالف علماء کا بیان، ص ۲۲۔۲۳) = ان لوگوں کی اسلام و پاکستان دشمنی کو دیکھ کر ان کے ہم مسلک ظفر علی خاں یوں گویا ہوئے:

نہرو ہے دولہا تو دلہن مجلس احرار ہو پیر بخاری کو مبارک یہ عروسی

(چمنستان، ص ۱۵۹)

ہندوں سے نہ سکھوں سے نہ سرکار سے ہے گِلہ رسوائی اسلام کا احرار سے ہے
حرف پنجاب میں ناموس نبی پر آیا قائم اس ظلم کی بنیاد ان اشرار سے ہے
آج اسلام اگر ہند میں ہے خوار و ذلیل تو یہ سب ذلّت اسی طبقہ کے غدّار سے ہے

بحوالہ چمنستان، ص ۴ (دیو بندی مذہب، ص ۳۴۵)

۱۸۔ جماعتِ اسلامی کے بانی مولانا مودودی نے کہا: ''جو لوگ پاکستان کے مخالف تھے جب یہ کہتے تھے یہ محض فریب ہے، سیاسی چال ہے تو کیا وہ غلط کہتے تھے''۔ (ترجمان القرآن، ج ۴۳، عدد ۶، بابت جمادی الآخر ۱۳۷۴ھ) (دیو بندی مذہب، ص ۳۴۶)

۱۹۔ کانگریس جمعیۃ العلماء کے اجلاس دہلی میں مولوی حبیب الرحمٰن اور مولوی عطاء اللہ شاہ بخاری نے مسلم لیگ کو جو گالیاں سُنائیں ان کا ذکر اخباروں میں آچکا ہے، ان لوگوں نے مسٹر محمد علی جناح کو یزید اور مسلم لیگ کے کارکنوں کو یزید (یوں) سے تشبیہ دی، خدا کا شکر ہے کہ کہیں گاندھی کو امام حسین سے مشابہ قرار نہیں دیا۔ بحوالہ اخبار انقلاب، لاہور، ۱۵ مارچ ۱۹۳۹ء (دیو بندی مذہب، ص ۳۴۴)

۲۰۔ معمر مسلم لیگی رہنما سردار شوکت حیات نے کہا کہ ''قائداعظم کے حکم پر میں اور راجہ غضنفر علی خان ۱۹۴۶ء میں جب قائداعظم کا پیغام لے کر مولانا مودودی کے پاس گئے اور کہا آپ پاکستان کے لئے دعا کریں تو (بانی جماعت اسلامی) مولانا (مودودی) نے کہا آپ میرے پاس ''ناپاکستان'' کے لئے دعا کروانے آئے ہیں''۔ بحوالہ روز نامہ جنگ لاہور، ۱۷ دسمبر ۱۹۸۴ء (انگریز اور پاکستان کے حامی ومخالف علماء کا بیان، ص ۲۷)

۲۱۔ مولانا مودودی نے کہا ''جب میں مسلم لیگ کی ریزولیشن (قراردادِ پاکستان) کو دیکھتا ہوں تو بے اختیار میری روح ماتم کرنے لگتی ہے''۔ بحوالہ سیاسی کشمکش، مودودی، حصہ سوم، ص ۳۷ (انگریز اور پاکستان کے حامی و مخالف علماء کا بیان، ص ۲۷)
=

= ۲۲۔ اہلحدیث مولوی قاسم بناری نے کہا کہ 'پاکستان کا نعرہ محض ایک ڈھونگ ہے''۔ بحوالہ پیغام ہدایت، ص ۸۰ (انگریز اور پاکستان کے حامی ومخالف علماء کا بیان، ص ۲۷۔۲۸)

یاد رہے کہ اہلحدیث کانگریس کے حامی تھے چنانچہ اہلحدیث مولوی محمد ابراہیم سیالکوٹی نے لکھا ہے کہ ''بہت سے اہلحدیث علماء اور عوام و امراء کانگریس کا ساتھ دیتے تھے''۔ بحوالہ احتفال الجمہور، ص ۱۲ (انگریز اور پاکستان کے حامی ومخالف علماء، ص ۲۷)

۵۲؎ تاریخی بددیانتی: اس تاریخی بددیانتی کے بارے میں ممتاز مؤرّخ خواجہ رضی حیدر لکھتے ہیں: علامہ اقبال کا خواب جب تشکیل پاکستان کی صورت میں پورا ہوا تو موقع شناسوں اور مفاد پرستوں نے اس نُومولود ریاست میں ہر طرف دام ہمرنگ زمیں پھیلا دیئے اور اپنی وفاداری اور حُبّ الوطنی کا ایسا ڈھونگ رچایا کہ اصل اور نقل کی تمیز اٹھ گئی، مولانا حسین احمد مدنی (دیو بندی) اور مولانا ابو الکلام آزاد (وہابی) کو اپنا مقتداء او رپیشوا تسلیم کرنے والے افرادِ ایوانِ سیاست میں مناصب جلیلہ پر فائز ہوئے (جیسے مودودی اور اس کی جماعت اور مفتی محمود اور اس کی جماعت) اور سرکاری وغیر سرکاری ذرائع ابلاغ پر اپنا تسلّط اس طرح قائم کیا کہ علماءِ حق کی آواز دب کر رہ گئی، قطرے کو سمندر اور ذرّہ کو آفتاب بنا کر پیش کیا گیا، بے بنیاد حکایات کو صداقت کا پیراہن دیا گیا اور وہ سب کچھ الم نشرح کر دیا گیا جس کا کوئی وجود بھی نہیں تھا۔ (دوقومی نظریہ کے حامی علماء اور ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی، سخن گسترانہ بات، ص ۹)

۵۳؎ بین الاقوامی مؤرّخ کی خدمت میں شکایت: تاریخ دانوں کی اس بددیانتی اور تاریخ میں علماء ومجاہدین اہلسنّت کا ذکر نہ ہونے کا تذکرہ تحریکِ پاکستان کے اہم رُکن اور بین الاقوامی مؤرّخ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی سے بھی کیا گیا چنانچہ کتاب ''دوقومی نظریہ کے حامی علماء اور ڈاکٹر قریشی'' میں ہے: ڈاکٹر صاحب سے سوال کیا گیا کہ علماءِ اہلسنّت کو اس قدر نظر انداز کیا گیا ہے اور غیر نے اتنی شہادتیں سامنے رکھ دی ہیں کہ ان کی تردید کے لئے ایک عرصہ درکار ہے تو انہوں نے فرمایا: ''تردید کی ضرورت نہیں بلکہ جو کچھ ہوا اُسے مثبت انداز میں پیش کریں اب کچھ

لکھا جارہا ہے"۔ (دو قومی نظریہ کے حامی == علماء اور ڈاکٹر قریشی، ص ۱۹)

ڈاکٹر قریشی مرحوم نے ان کلمات میں اہلسنّت میں اُن لوگوں کو مشورہ دیا ہے جو صاحب قلم ہیں کہ وہ جدوجہدِ آزادی اور تحریکِ پاکستان میں حصہ لینے والے، قیام پاکستان کے لئے جدوجہد کرنے والے اسلاف کے تذکرے لکھیں تو جھوٹ کی تردید خود بخود ہو جائے گی کیونکہ جب حق آتا ہے تو باطل وہاں نہیں رہتا، اور یہ حقیقت ہے کہ ایک عرصے تک ہم لوگوں نے اس طرف خاطر خواہ توجہ نہیں دی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ آج ہمارا نوجوان مسلمانوں کے غداروں، ہندوؤں کے یاروں، پاکستان کے مخالفوں کو مسلمانوں کا خیر خواہ اور قیام پاکستان کے لئے جدوجہد کرنے والا سمجھتا ہے کیونکہ اس کو جو تاریخ پڑھائی گئی اس میں یہی لکھا ہوا تھا لہٰذا آزادی کے لئے قربانیاں دینے والوں اور قیام پاکستان کے لئے شب و روز محنت کرنے والوں کا ذکر کرنا ان کے کارناموں سے عوام الناس کو روشناس کرانا ازبس ضروری ہے۔ اس سے ان کی تردید بھی ہو گئی کہ ماضی کے ذکر کو اور اسلاف کے تذکروں کو غیر مفید سمجھتے ہیں۔

۵۴ موصوف احراری تھے اور "احرار" کی پاکستان اور تحریکِ پاکستان میں شامل علماء و مشائخ اور سیاسی لیڈران اور عوام سے دشمنی روزِ روشن کی طرح عیاں ہے اور خود مفتی محمود صاحب نے بھی پاکستان بننے سے قبل ایک فتویٰ دیا جو تاریخ کے اوراق کا حصہ ہے، چنانچہ مولانا ابوداؤد صادق روزنامہ "ندائے ملّت" لاہور کی ۳ جون ۱۹۷۰ء کی اشاعت کے حوالے سے لکھا، مفتی محمود نے فتویٰ دیا تھا کہ "مسلم لیگ کو ووٹ دینے والوں کا نکاح فسخ ہو جائے گا" اور پاکستان بننے کے بعد وہ نازیبا کلمات کہے جن کو مصنّف نے ذکر کیا اور مولانا ابوداؤد صادق نے لکھا ہے کہ مفتی محمود نے ۷ استمبر ۱۹۷۵ء کو بمقام کوٹھی چوہدری ظہور الٰہی گلبرگ لاہور میں متحدہ محاذ کے اجلاس میں کہا "خدا کا شکر ہے ہم پاکستان بنانے کے گناہ میں شامل نہیں تھے"۔ معلوم ہوا موصوف نے یہ کلمات ایک بار نہیں متعدد بار متعدد مقامات پر کہے تھے۔ اور وہ کبھی بھی پاکستان کے ساتھ مخلص نہ تھے چنانچہ لکھتے ہیں: مفتی محمود اپنے معتقدین کی محفلوں میں کہتے رہتے تھے "پاکستان ٹوٹتا ہے تو ٹوٹے ہمیں کیا، ہمارے اکابرین پاکستان کے خلاف تھے"۔ نیز مفتی محمود نے راولپنڈی کی محفل میں کہا "میں پنجابیوں پر پیشاب کرتا ہوں" یہ الفاظ کہتے وقت انہوں نے مولانا عبیداللہ انور اور مولانا عبداللہ درخواستی وغیرہ اپنے اکابر کو بھی مستثنیٰ نہیں کیا، ملخصاً (بحوالہ ہفت روزۃ الجمعیۃ، پنڈی، ۸ دسمبر ۱۹۷۳ء، ص ۱۴) (پاکستان اور انگریز کے حامی و مخالف علماء کا بیان، ص ۲۵۔۲۶)

۵۵ بانی پاکستان کے بارے میں اِن کے مولویوں کا نظریہ تو آپ نے پڑھا، اب سُنّی علماء و مشائخ کا نظریہ بھی پڑھئے: سُنّی علماءِ کرام و مشائخ عظام محمد علی جناح کو دُنیاوی اُمور میں اپنا رہنما قرار دیتے تھے، چنانچہ شیخ الفقہ حضرت مولانا عبدالمتین بہاری سے اس کے بارے میں ایک استفتاء لیا گیا جو مندرجہ ذیل ہے:

سوال: ابوالفتح عبیدالرضا محمد حشمت علی خان اور محمد علی جناح کی شخصیت کے بارے میں آپ کی ذاتی رائے کیا ہے، مسلمانوں کا خیر خواہ اور قوم کا رہبر صحیح معنوں میں کس کو قرار دیا جاسکتا ہے؟

جواب: دونوں ہی خیر خواہ قوم و رہبر ہیں، مگر دو اعتبار سے، مولانا حشمت علی خان صاحب دینی معاملات کے رہبر و ہادی ہیں اور مسٹر محمد علی جناح دنیاوی معاملات کے رہبر ہیں چونکہ دنیاوی قوانین کے جاننے اور اُن کے مُفید و مُضر ہونے کی واقفیت کا اُن کو بہت زیادہ ہے اور دشمنوں کی چال کا جواب اُن کو خوب معلوم ہے۔ (ہفت روزہ الفقیہ، امرتسر، مجریہ ۷ تا ۱۴ جون ۱۹۴۶ء، ص ۹)

اسی طرح امیر ملّت سید جماعت علی شاہ صاحب کے متعلق منقول ہے کہ ۱۱ تا ۱۳/ اکتوبر ۱۹۴۶ء کو امرتسر میں امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا عرس منعقد ہوا جس کے آخری اجلاس میں امیر ملّت نے صدارتی خطبہ میں فرمایا: "اس وقت مسلمانوں کے جھنڈے تلے منظّم ہو جانا چاہئے، وہ جھنڈا صرف مسلم لیگ کا ہے...... قائداعظم ہمارے سیاسی وکیل ہیں ہم ان کے حکم پر پاکستان جیسی سرزمین حاصل کرنے کے لئے بڑی سے بڑی قربانی دینے سے بھی دریغ نہیں کریں گے"۔ اور اسی دوران کسی نے سوال کر دیا کہ جناح کافر ہے یا مسلمان؟ آپ نے برجستہ جواب دیا: "تمہیں کون سی ان کے ساتھ رشتہ داری کرنی ہے جو اس کا مذہب دریافت کرتے ہو"، پھر فرمایا: "ہم نے جناح صاحب کو اپنا امام یا قاضی یا نکاح خواں مقرر نہیں کیا بلکہ وہ ہمارے وکیل ہیں ہم سب کا کام ہے جسے وہ کر رہے ہیں الخ" اور یہ بھی فرمایا: "پاکستان کے مخالفین کان کھول کر سُن لیں کہ پاکستان بن کر رہے گا...... پاکستان ہم سب کا ہے اس کے لئے مسٹر جناح کا نہیں ہے، وہ ہمارا کام کر رہے ہیں ہمارے وکیل ہیں" ملخصاً۔ (تحریک پاکستان اور مشائخ عظام، ص ۸۲۔۸۳)

اور پیر غلام مجدّد سرہندی (مٹیاری، سندھ) کے بارے میں منقول ہے کہ "تحریکِ پاکستان میں مسلم لیگ کی آپ نے ہر طرح سے بھرپور مدد کی اور اس کی ترقی کے لئے بھرچونڈی شریف کے پیر میاں عبدالرحمٰن قادری اور عبدالرحیم شہید کے ہمراہ آپ نے پورے سندھ کا دورہ کیا، کسی نے آپ سے پوچھا کہ آپ "مسٹر جناح کے پیچھے کیوں لگ گئے ہیں؟" تو آپ نے فرمایا: "ہمارے مقصد کو بروئے کار لانے والا یہی شخص ہوا ہے اگر کوئی اور ہوتا تو ہم اس کے پیچھے لگ جاتے، جناح تو ایک مسلمان وکیل ہے جو بغیر پیسے اور فیس کے مسلمانوں کی وکالت کر رہا ہے، کیا

کافر کو وکیل نہیں بنایا جا سکتا بلکہ فیس بھی دی جاتی ہے''۔ (انوار علماء اہلسنّت سندھ، ص۶۰۰) اسی میں ہے کہ ''قائد اعظم محمد علی جناح کی قیادت کے سلسلہ میں آپ نے فرمایا ہم اس کی اقتداء میں نماز نہیں پڑھتے بلکہ ایک وکیل کر رہے ہیں جو انگریزوں اور ہندوؤں کا مقابلہ کر رہا ہے، بات کرنے کی طاقت رکھتا ہے ہمیں ایسا لیڈر نہیں ملے گا''۔ (ص۶۰۲)

سید صابر حسین شاہ بخاری نقل کرتے ہیں کہ جمعہ کا دن تھا اور حضرت مولانا غلام یزدانی رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ (خلیفۂ اعلیٰ حضرت) کے شاگرد تھے تقریر فرما رہے تھے ان کا بیان تھا کہ ہمیں بہر صورت قیام پاکستان کی حمایت کرنی چاہئے، لوگ محمد علی جناح پر اعتراضات کرتے ہیں اگر وہ صحیح بھی ہوں تو کچھ فرق نہیں پڑتا، محمد علی جناح مسلمانانِ ہند کے وکیل ہیں، امیر المؤمنین نہیں، انہوں نے اچھے کام کا اقدام کیا ہے، دنیا میں ایک اسلامی سلطنت کی جدوجہد کر رہے ہیں جہاں ''لا الٰہ الا اللہ'' کا پیغام گونجے۔ (ماہنامہ ضیاء حرم لاہور، مجریہ اگست ۱۹۹۷ء، ص۱۸۴)

۵۶؎ عالم اسلام کے مشہور و معروف عالمِ دین اور تحریکِ خلافت و تحریکِ پاکستان کے صفِ اول کے قائد مجاہد ملت مولانا عبد الحامد بدایونی ابن عبد القیوم بدایونی شہید ۱۸۹۹ء میں بھارت کے شہر دہلی میں پیدا ہوئے، جب مولانا کے والد کا انتقال ہوا تو اس وقت مولانا عبد الحامد بدایونی عمر تقریباً ۲۰ یوم تھی، آپ کی تعلیم و تربیت کا انتظام آپ کی والدہ نے کیا، ابتدائی تعلیم اپنے آبائی مدرسہ ''دار العلوم قادریہ شمس العلوم'' بدایوں سے حاصل کی اور مدرسہ کانپور سے تعلیم کی تکمیل فرمائی، تعلیم کی تکمیل کے =بعد مولانا دار العلوم شمس العلوم کے نائب مہتمم مقرر ہوئے، ۱۹۱۹ء میں بمبئی میں مولانا محمد علی جوہر اور مولانا شوکت علی کے پیر طریقت مولانا عبد الباری فرنگی محلی نے پندرہ ہزار افراد کے اجتماع میں خلافت کمیٹی قائم کی اور تحریکِ خلافت شروع ہوئی تو مولانا اس سے وابستہ ہو گئے، خاص طور پر مولانا عبد الباری فرنگی محلی نے مولانا محمد علی جوہر اور مولانا شوکت علی کو آپ کی خدمت میں بھیجا، آپ نے مولانا محمد علی جوہر اور مولانا شوکت علی کی خوب مہمان نوازی کی اور عملی طور پر تحریک میں شامل ہو گئے آپ نے تحریکِ خلافت میں نئی روح پھونک دی، لکھنؤ میں منعقدہ کانفرنس میں جب بمبئی کی محدود خلافت کمیٹی کو پورے ہندوستان میں پھیلانے کا فیصلہ کیا گیا تو مولانا اپنے بڑے بھائی مولانا عبد الماجد بدایونی کے ساتھ مل کر پورے ہندوستان کا دورہ کیا، اور ہندوستان کے گوشے گوشے میں خلافت کمیٹی کی شاخیں قائم کیں، مولانا عبد الحامد بدایونی ضلعی خلافت کمیٹی کے جنرل سیکریٹری کے علاوہ صوبائی خلافت کمیٹی اور مرکزی خلافت کمیٹی بمبئی کی مجلس عاملہ کے رکن بھی رہے، گاندھی بھی عیارانہ طور پر خلافت کمیٹی میں شامل ہو گیا اور اچھی پوزیشن حاصل کر لی، مسلمان ہندوؤں کو اپنا ہمدرد تصور کرنے لگے، لیکن شدھی تحریک کے آغاز سے مسلمان کو گاندھی کی چالاکی سمجھ میں آ گئی، مولانا عبد الحامد بدایونی اور آپ کے بھائی تحریکِ خلافت سے بدظن ہو کر ''انجمن تبلیغ اسلام'' انبالہ و آگرہ میں شریک ہو کر ممتاز علماء کرام جن میں صدر الا فاضل مولانا سید نعیم الدین مراد آبادی، پیر سید جماعت علی شاہ محدّث علی پوری، مولانا سید ابو الحسنات قادری، خواجہ حسن نظامی، مفتی عبد الحفیظ قادری، مولانا غلام قطب الدین برہمچاری کے ہمراہ اس جگہ (یعنی میوات) پہنچے جہاں ''شدھی تحریک'' کام کر رہی تھی، ہندوؤں کی تنگ نظری اور دین دشمنی کے پیشِ نظر مسلمانوں کی الگ جماعت کی ضرورت محسوس کی گئی چنانچہ مسلم کانفرنس کے نام سے جماعت قائم کی گئی، سفیر اسلام مولانا شاہ عبد العلیم صدیقی، اور مولانا عبد الحامد بدایونی اور تحریکِ خلافت کے دیگر رہنما مسلم کانفرنس میں شامل ہو گئے، ۱۹۱۸ء میں مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس دہلی میں مولوی ابو القاسم فضل الحق کی صدارت میں منعقد ہوا جس میں مولانا عبد الحامد بدایونی نے بھی شرکت کی اور مسلم لیگ کے حامی ہو گئے، اس وقت مولانا عبد الحامد بدایونی کی عمر صرف ۲۰ سال تھی، اس موقع پر آپ نے نہایت پُر مغز اور پُر جوش تقریر کر کے اپنی صلاحیتوں کو منوایا۔

=

= جب دہلی میں مولانا شوکت علی کی رہائش گاہ میں مسلم لیگ کے رہنماؤں کا اجلاس منعقد ہوا جس میں یہ طے ہوا کہ آئندہ تمام انتخابات میں مسلم لیگ مسلمانوں کی نمائندہ جماعت ہو گی، اس اجلاس میں دیگر کے علاوہ مولانا عبد الحامد بدایونی بھی شریک ہوئے۔ ۱۵ تا ۱۸/ اپریل لکھنؤ میں قائد اعظم محمد علی جناح کی زیر صدارت منعقد ہوا جس میں مولانا عبد الحامد بدایونی نے بھرپور حصہ لیا، ۱۹۳۸ء میں قائد اعظم محمد علی جناح نے مسلم لیگ کو فعال، مؤثر اور مسلمانانِ ہند کی نمائندہ جماعت بنانے کے لئے ہندوستان کے ہر صوبے سے دو دو افراد کو منتخب کیا گیا جو کہ مسلم لیگ کے اغراض و مقاصد عوام تک پہنچا سکے، ان افراد میں یوپی سے مولانا عبد الحامد بدایونی کا نام شامل کیا گیا، مولانا بدایونی اور دیگر رفقاء نے ہندوستان بھر کا دورہ کیا اور عوام، علماء و مشائخ کو مسلم لیگ کا ہمنوا بنا دیا۔

۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کو لاہور میں منٹو پارک (اقبال پارک) کو آل انڈیا مسلم لیگ کا تاریخ ساز اجلاس منعقد ہوا جس میں علامہ عبد الحامد بدایونی نے سنّی کانفرنس کے مشائخ و علماء کے ہمراہ شرکت کی اور تقریر بھی کی، اگست ۱۹۴۱ء میں لدھیانہ میں پاکستان کانفرنس آپ کی صدارت میں منعقد ہوئی جس میں آپ نے انتہائی پر جوش و دلائل سے بھرپور تقریر کی یہ تقریر بعد میں نظامی پریس بدایوں سے شائع کر کے مسلم لیگ کی شاخوں کو بھجوا دی گئی، ۱۹۴۵ء میں قائد اعظم اور امیر حیدر آباد دکن میر عثمان علی خان کے درمیان شدید قسم کے اختلافات ہو گئے تو قائد ملت

لیاقت علی خان نے مولانا عبدالحامد بدایونی سے درخواست کی کہ وہ دونوں کی ملاقات کا راستہ ہموار کریں، مولانا نے دونوں سے ملاقات کی اور آپس میں ملاقات کے لئے راضی کرلیا۔

۱۹۴۶ء میں بنارس میں حصولِ پاکستان کے لئے ’’آل انڈیا سُنّی کانفرنس‘‘ کا ایک عظیم الشان اجتماع جس میں مولانا بدایونی نہ صرف شریک ہوئے اسے کامیاب بنانے کے لئے نمایاں خدمات انجام دیں اور آپ اس کے مرکزی عہدیدار بھی رہے۔ ۱۹۴۶ء کے انتخابات میں مولانا بدایونی کی خدمات ناقابلِ فراموش ہیں، آپ نے یوپی، سی پی، بہار، اڑیسہ، بنگال، آسام، بمبئی، کراچی، قلات اور سندھ، پنجاب، بلوچستان کے دُور اُفتادہ علاقوں کا دَورہ کیا اور لوگوں کو مسلم لیگ کے حق میں ووٹ دینے پر آمادہ کیا۔

صوبہ سرحد کے ریفرنڈم کے موقع پر سرحد میں کانگریس کی پوزیشن بہت مضبوط تھی، پیر امین الحسنات مانکی شریف نے محمد علی جناح سے درخواست کی وہ سرحد میں مسلم لیگ کے حق میں راہ ہموار کرنے کے لئے وفد بھیجیں، جس میں مولانا عبدالحامد بدایونی ضرور شامل ہوں، محمد علی جناح نے نواب بہادر یار جنگ اور مولانا بدایونی کو بھیجا مولانا نے اپنی زورِ خطابت اور حُسنِ تدبیر سے سرحد کے مسلمانوں کو مسلم لیگ کی حمایت کے لئے کمربستہ کیا، آپ کی خطابت اور تدبیر نے کانگریسی اثرات کو ختم کرکے مسلم لیگ کی مقبولیت کو چار چاند کردیا اور مسلم لیگ کے امیدواروں کو ووٹ دینے کے لئے ۳۵ علماء اہلسنّت کے دستخط سے پوسٹر شائع کیا، اسی دوران ہرٹوپی کے مقام پر آپ پر قاتلانہ حملہ بھی ہوا، آپ کی ان ہی خدمات پر محمد علی جناح نے آپ کو فاتحِ سرحد کے خطاب سے نوازا، اسی طرح سلہٹ اور بنگال میں کانگریس سے وابستہ اور اس کے مبلّغ (دارالعلوم دیوبند) کے مولوی حسین احمد مدنی کا اثر کم کرنے کے لئے آپ کو بھیجا گیا، آپ نے ان علاقوں میں پہنچ کر کانگریس کے اثر کو نہ صرف ختم کیا بلکہ مسلم لیگ کی مقبولیت اور تحریکِ پاکستان کو پروان چڑھایا۔ اسی طرح عرب ممالک کے سربراہان وعوام کو نظریۂ پاکستان سے روشناس کرنے اور انہیں پاکستان کی حمایت کے لئے تیار کرنے کے لئے سفیرِ اسلام علامہ عبدالعلیم صدیقی کی طرح آپ کو بھی بھیجا گیا اور آپ نے اس ذمہ داری کو بھی بخیر وخوبی نبھایا۔

۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو قیامِ پاکستان کے بعد علماءِ اہلسنّت پاکستان کے بے حد اصرار پر کراچی میں مستقل قیام کا فیصلہ کیا، اور استحکام پاکستان اور اسلام کی ترویج واشاعت میں مصروف ہوگئے، آپ ہی کی کوششوں سے عید میلاد النبی ﷺ کا سرکاری نوٹیفکیشن جاری ہوا اور میلاد النبی ﷺ کی عام تعطیل کا اعلان ہوا۔

پہلی کابینہ میں جب ظفر اللہ خاں قادیانی کو وزیر خارجہ بنایا گیا تو مولانا بدایونی سے سخت احتجاج کیا۔ ۱۹۴۸ء میں مولانا شاہ عبدالعلیم صدیقی کی قیادت میں مولانا عبدالحامد بدایونی نے بانیٔ پاکستان سے ملاقات کی اور پاکستان کا دستور کتاب وسنت کی روشنی میں تیار کرنے کے لئے وزارت مذہبی امور قائم کرنے کی یادداشت پیش کی۔

کشمیر کی آزادی اور تحریکِ ختم نبوت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، فروری ۱۹۵۳ تا جنوری ۱۹۵۴ء ایک سال قید وبند کی صعوبتیں برداشت کی، ۱۹۶۵ء میں پاک بھارت جنگ کے موقع پر ملک گیر دورہ == کرکے مہاجرین ومجاہدین کی مدد کی۔ مولانا نے منگھو پیر روڈ پر ایک وسیع اراضی پر ’’جامعہ تعلیمات اسلامی‘‘ کے نام سے ادارہ قائم کیا مگر آپ کی وفات کے بعد اس عمارت کو حکومت نے کالج میں تبدیل کردیا جو کہ اس وقت انتہائی خستہ حال ہے۔

مولانا عبدالحامد بدایونی ۲۱ جولائی ۱۹۷۰ء کراچی میں اپنے خالق حقیقی سے جا ملے، اور آپ کی آخری آرام گاہ جامعہ تعلیمات اسلامیہ بنارس چوک منگھو پیر روڈ پر ہے۔ (ملخصاً ماخوذ از ’’فاتح سرحد‘‘ تالیف سید رفیق شاہ صاحب بانی رکن ’’سحر فاؤنڈیشن‘‘، کراچی، اور سابق عہدیدار ’’انجمن طلبہ اسلام‘‘)

۵۷ محمد جلال الدین قادری لکھتے ہیں: حصولِ پاکستان کی منزل کو آسان اور قریب کرنے کے لئے مسلم لیگ نے ایک وفد ترتیب دیا جس کی غرض وغایت یہ تھی کہ ہندوستان سے باہر کی دنیا کو مسلمانوں کا نظریۂ پاکستان واضح کرکے اس کی حمایت حاصل کی جائے، اس وفد میں ’’آل انڈیا سُنّی کانفرنس‘‘ کے ناظم نشرواشاعت مولانا محمد عبدالحامد قادری بدایونی بطور کنوینر اور مولانا عبدالعلیم صدیقی میرٹھی رُکنِ ’’آل انڈیا سُنّی کانفرنس‘‘ شامل تھے۔

یہ وفد پہلی مرتبہ حجاز مقدس روانہ ہوا، ملک ابن سعود سے ملاقات کرکے اُسے نظریۂ پاکستان کی وضاحت کی اور حجازِ مقدس میں حجاج کرام پر ناجائز ٹیکس کی واپسی پر آمادہ کیا، دو ہفتے کے قیام کے بعد ۳۱ دسمبر ۱۹۴۶ء کو یہ وفد وطن واپس پہنچا کامیاب دَورہ کی واپسی پر آپ کا شاندار استقبال کیا گیا۔

دوسری مرتبہ یہ وفد آخر جنوری ۱۹۴۷ء کو مصر، فلسطین، شام، عراق اور دیگر ممالکِ اسلامیہ کے لئے روانہ ہوا، وہاں بھی یہ وفد اپنے مقاصد میں پوری طرح کامیاب ہوا، ان ممالک کی شاہان اور عوام نے نظریۂ پاکستان کی اہمیت کو اچھی طرح سمجھا اور مطالبۂ پاکستان کی مکمل حمایت کی،

اس طرح ''آل انڈیا سُنّی کانفرنس'' کے زعیم شہیر کی شرکت سے پاکستان کے حصول کے مطالبہ کی مسلم لیگ کو پذیرائی ہوئی۔ (ہفت روزہ دبدبہ سکندریہ، رامپور، مجریہ ۱۰ جنوری ۱۹۴۷ء، ص ۴)

مولانا عبدالحامد بدایونی نے حجازِ مقدس سے واپسی پر یہ بیان اشاعت کے لئے جاری فرمایا: ''آل انڈیا مسلم لیگ کا وفد حجاز میں دو ہفتے مقیم رہا، حکومتِ سعودیہ کے ساتھ بہت اچھا طرزِ عمل رہا، تسہیلِ حجاج کے لئے وفد نے جس قدر بھی تجاویز پیش کیں اکثر کو قبول کیا، نفسِ ٹیکس کی حُرمت کو = = جلالۃ الملک نے تسلیم کرلیا مگر فرمایا کہ اس کی معافی غور طلب ہے، انشاء اللہ اس کا بھی آخری فیصلہ جلد ہو جائے گا۔ مَلِکُ الحجاز نے تحریکِ پاکستان سے اپنی ہمدردی ظاہر کرتے ہوئے مسلمانانِ ہند کو پیغام دیا کہ وہ خدا پر بھروسہ کریں، مشرکینِ ہند پر قطعاً اعتماد کریں، اپنی جدوجہد جاری رکھیں، صبر سے کام لیں، خدا ان کی ضرور مدد کرے گا، وفد نے عالَمِ اسلامی کے ہر ملک کے زعماء کو مسئلۂ پاکستان پوری طرح سمجھایا''۔

اور مسلمانانِ ہند کے سیاسی مؤقف سے بخوبی واقف کیا، عالَمِ اسلامی کے زعماء، علماء نے مسلمانانِ ہندوستان کی تائید کا وعدہ کیا اور وفد کو عالَمِ اسلامی میں آنے کی دعوت دی اور اس بات پر زور دیا کہ تمام ممالک اسلامیہ میں مسلم لیگ کے وفود آنے کی ضرورت ہے تاکہ ہمارے عوام بھی پاکستان کو بخوبی سمجھ سکیں، عالَمِ اسلام کے ان مشاہیر نے اس کا بھی وعدہ کیا کہ وہ واپس جا کر اسلامیانِ ہند کے مسائل ذہن نشین کرائیں گے اور مسلم لیگ سے اپنا رابطہ اتحاد قائم کریں گے۔ مولانا عبدالعلیم صاحب صدیقی آف میرٹھ مدینہ طیبہ میں ٹھہر گئے اور واپسی پر وہ مصر وغیرہ جائیں گے، میرا عزم بھی ہے کہ آخری جنوری (۱۹۴۷ء) تک ممالکِ اسلامیہ کے دورہ پر روانہ ہو جاؤں۔ (تاریخ آل انڈیا سُنّی کانفرنس، ص ۲۹۴۔۲۹۵، بحوالہ ہفت روزہ دبدبہ سکندری، رامپور، مجریہ ۱۰ جنوری ۱۹۴۷ء، ص ۴)

۵۸؎ سفیرِ اسلام: سفیرِ اسلام علامہ شاہ عبدالعلیم صدیقی میرٹھی علیہ الرحمہ میرٹھ (یوپی) کے معروف صدیقی خانوادے سے تعلق رکھتے ہیں، پانچ سال کی عمر میں ناظرہ قرآن کریم پڑھنے کے بعد اردو، فارسی، عربی اور دینیات کی تعلیم حاصل کی، چودہ سال کی عمر تک والد بزرگوار کا سایہ عاطفت رہا، سولہ سال کی عمر میں دینی علوم سے فراغت حاصل کرلی، جدید تعلیم کے لئے میرٹھ کالج میں پڑھتے رہے، اسی دوران اعلیٰ حضرت محدِّث بریلوی علیہ الرحمہ سے بھی تعلق پیدا کرلیا، آپ کو اپنے بھائی مولانا شاہ احمد مختار صدیقی علیہ الرحمہ سے خلافت و اجازت حاصل تھی، اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے بھی آپ کو خلافت و اجازت سے نوازا اور ''علیم الرضا'' کے لقب سے مشرف فرمایا۔

۱۹۱۹ء سے ۱۹۵۴ء تک یورپ، افریقہ اور امریکہ کے متعدد ممالک اور ریاستوں میں جا کر اسلام کی روشنی پھیلاتے رہے، آپ نے اپنی زندگی میں مختلف ملکوں میں پینتالیس ہزار افراد کو مشرف بہ اسلام کیا، ملک ملک گھوم پھر کر مدینہ منورہ پہنچ جاتے، یہاں تک کہ وہیں کے ہو کر رہ گئے، بیمار ہوئے فرمایا: میرے چارپائی باب السلام مسجد نبوی پر لے جائی جائے، جب چارپائی ''باب السلام'' پر لائی گئی تو آپ نظر اٹھا اٹھا کر روضہ رسول ﷺ کی طرف دیکھتے تھے اور آنکھوں سے آنسو جاری تھے، اسی اثنا میں روح قفسِ عنصری سے پرواز کرگئی، آپ کی خوش بختی کی اس سے بڑھ کر اور کیا دلیل ہو سکتی ہے کہ آپ کو ''جنت البقیع'' میں حضرت اُمّ المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے قدموں میں جگہ ملی، پاکستان کے معروف سیاستدان مولانا شاہ احمد نورانی علیہ الرحمہ آپ ہی کے فرزند ارجمند ہیں۔ (جن کا اب وصال ہو چکا ہے)

تحریکِ پاکستان میں آپ کی خدمات آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہیں، مبلّغِ اسلام علامہ محمد عبدالعلیم صدیقی میرٹھی علیہ الرحمہ نے تقریباً دس سال محکوم ہندوستان میں مسلمانوں کے لئے علیحدہ وطن کے مطالبہ کی پُرزور حمایت کی اور اس ضمن میں اپنے شب و روز ایک کردیئے، ۱۹۴۰ء کو قراردادِ پاکستان کی منظوری کے بعد آپ نے قیام پاکستان کی تحریک میں نہایت سرگرمی کا مظاہرہ کیا اور مختلف بلاد و امصار کے دَورے کرکے علمائے اہلسنّت، مشائخ عظام اور عوام الناس کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ خوابِ غفلت سے بیدار ہو کر مسلم لیگ کے پرچم تلے جمع ہو جائیں تاکہ ان کے حقوق کی بازیابی کے لئے مؤثر انداز میں آئینی جنگ لڑی جاسکے۔

۱۹۴۵ء کے اواخر میں انتخابات کے موقع پر جہاں دیگر علمائے اہلسنّت، مسلم لیگ کے انتخابات میں کامیابی کے لئے کوشاں تھے، وہاں مولانا عبدالعلیم صدیقی علیہ الرحمہ بھی اس محاذ پر ڈٹے ہوئے تھے، آپ نے اکتوبر ۱۹۴۵ء میں بغرض حج عازم حجاز ہوئے، مسلمانانِ ہند کے نام پر ایک مؤثر پیغام دیا جس کے آخر میں آپ نے کہا کہ تمام برادرانِ ملّت کو علی العموم وقت سفرِ حجاز مقدس میں یہ آخری وصیت دیتے ہوئے رخصت ہوتا ہوں کہ جس طرح ممکن ہو انتخابات جدید میں تمام اختلافات باہمی کو مٹا کر آل انڈیا مسلم لیگ کی حمایت میں ہمہ تن سرگرم ہو جائیں اور آبنائے تزویر میں آکر شیرازے کو ہرگز منتشر نہ ہونے دیں، اور یہ ثابت کردکھائیں کہ مسلمان متحد و متفق ہیں، تاکہ جہاں جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے ان کی آزاد حکومت ہو جس میں نفاذِ قوانین و احیائے تہذیب و معاشرتِ دین کی پوری قوت ان کو ہی حاصل ہو، اس کو خواہ پاکستان کا نام دیا جائے یا حکومتِ الٰہیہ کے لقب سے ملقب کیا جائے۔ مبلّغِ اسلام شاہ عبدالعلیم صدیقی میرٹھی علیہ الرحمہ نے پنڈت نہرو سے ملاقات کے دوران ہندوؤں کی طرف سے مسلمانوں پر ظلم و ستم کے خلاف سخت احتجاج کیا، بمبئی اور مدراس میں تقریریں کرکے مسلمانوں کی ڈھارس بندھائی۔ تحریکِ پاکستان کے خلاف جب کانگریسی لیڈر حشرات الارض کی طرح بیرونی ممالک میں پھیل گئے تو آپ نے انگلینڈ اور مصر میں ان

کانگریسی گماشتوں کو اپنی مدلّل تقریر سے ناکوں چنے چبوائے۔

۱۹۴۶ء میں معروف آل انڈیا سُنّی کانفرنس بنارس میں شرکت فرما کر تحریکِ پاکستان کی بانگ دہل حمایت فرمائی، ملک کے طول وعرض میں مسلم لیگ پیغام پہنچایا، علاوہ ازیں حج کے موقع پر مسلم لیگ کی طرف سے متعدد عرب ممالک فلسطین، شام، لبنان، اردن اور عراق وغیرہ کے دورہ پر تشریف لے گئے، ہندوؤں کے شدید غلط پروپیگنڈے کی بنا پر عالم اسلام کے مسلمان ہندی مسلمانوں کے خلاف تھے، دنیا میں ہندوستان کی آزادی حاصل کرنے کو ''دیوانے کا خواب'' سمجھا جاتا تھا، آل انڈیا مسلم لیگ کو ہندوستان ہی میں اتنا کام تھا کہ وہ باہر توجہ ہی نہ دے سکتی تھی، اس لئے آپ مذکورہ حکام سے ملے، دانشوروں اور وکلاء کے سامنے تقریریں کیں اور نظریہ پاکستان کی وضاحت کی جس کے نتیجے میں عرب علماء و عوام تحریکِ پاکستان کو صحیح طور پر سمجھنے لگے۔

قیامِ پاکستان کے بعد قائداعظم علیہ الرحمہ کی طرف سے علامہ محمد عبدالعلیم صدیقی میرٹھی کو اسلامی ممالک کی نمائندگی کا فریضہ سونپا گیا، آپ نے تن تنہا بین الاقوامی سطح پر تبلیغ اسلام کے ساتھ ساتھ تحریکِ پاکستان کے اغراض ومقاصد پر طویل لیکچر دے کر اس کی اہمیت کو اجاگر کیا۔ قائد اعظم علیہ الرحمہ نے آپ کی انہی اسلامی اور ملّی خدمات کی پیشِ نظر آپ کو ''سفیرِ اسلام'' کا خطاب دیا۔ (ماہنامہ ضیائے حرم، لاہور، اگست ۱۹۹۷ء/ ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ، جلد نمبر ۲۷، شمارہ ۱۰، ص ۶۹۔۷۱)

۵۹؁ پروفیسر محمد اکرم رضا لکھتے ہیں: پورے برصغیر کے اصحاب علم وحکمت اس کانفرنس میں شرکت کے لئے اُمنڈ پڑے، کانفرنس میں پانچ صد مشائخ اور سات ہزار علماء کرام اور تین لاکھ کے قریب عوام نے شرکت کی، صدرالافاضل نے وزارتی مشن لارڈ کرپس وغیرہ کو بھی دعوت دی کہ وہ بطور گورنمنٹ نمائندہ وفد کے دیکھ لیں، سوادِاعظم کے اجتماعی مؤقف اور مسئلۂ پاکستان کی حمایت میں اتنا عظیم الشان اجتماع اس دور میں ایک تاریخی مثال تھا (ماہنامہ ضیاء حرم لاہور، مجریہ اگست ۱۹۹۰ء، تحریک پاکستان اور مشائخ، ص ۴۷)

۶۰؁ انگریز کی ہندوستان آمد سے لے کر قیام پاکستان تک کی تاریخ کا اگر جائزہ لیا جائے تو اِن لوگوں کا جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں کوئی کردار تحریکِ آزادی کی حمایت کے حوالے سے نظر نہیں آتا اس حقیقت کو عبدالحکیم خان اختر شاہجہانپوری نے یوں بیان کہ ''متحدہ ہندوستان کی سرزمین میں بسنے والے مسلمانوں کا مذہب اہلسنّت وجماعت تھا، جن کو آج کل بریلوی مکتبِ فکر کے نام سے کیا جانے لگا ہے، اور جملہ جماعتیں جو آج کل نظر آرہی ہیں وہ انگریزی دورِ حکومت میں اسی جماعت سے، برٹش گورنمنٹ کے تخریبی منصوبے کے تحت جُدا ہو کر بنی تھیں ماسوائے شیعہ حضرات کے جو سرزمین پاک وہند میں مغلوں کے دور سے موجود تو تھے لیکن انتہائی اقلیت میں، یعنی آٹے میں نمک کے برابر، ان حضرات نے اپنے لئے یہی بہتر سمجھا کہ برٹش گورنمنٹ کے وفادار اور خیر خواہ بن کر رہیں، اسی لئے انگریزوں کے خلاف انہوں نے کبھی کسی تحریک میں حصہ نہیں لیا، شیعہ صاحبان کی اس وفاداری کا ڈاکٹر ولیم ہنٹر نے یوں اعتراف کیا ہے: ''بغاوت کے غیر ضروری ہونے پر ان کا اعلان بغیر کسی دباؤ کے واقع ہوا اور یہ بات نہایت ہی خوب ہے کہ ایسا اعلان باضابطہ طور پر تحریر میں آگیا، اس دستاویز پر مستند اور قابل اعتماد شیعہ علماء کی مہریں ثبت ہیں اور یہ پورا فرقہ اس پر ہمیشہ سے عمل کرنے پر مجبور ہے، اس قسم کے باقاعدہ وعدوں کے بغیر بھی وہ قدرتاً وفادار ہیں''۔

ڈاکٹر ولیم ہنٹر کے بیان کے متعلق سرسید احمد خان صاحب کے اپنے تاثرات یہ ہیں: '''اس کے بعد ڈاکٹر صاحب نے شیعہ لوگوں کا کچھ ذکر لکھا ہے اور جو تعریف ان کی کی ہے گو وہ بھی مشروط بہ شرائط ہیں، لیکن مَیں اس طرح سے بھی خوش ہوں کیونکہ میری دانست میں یہی غنیمت ہے عالم ڈاکٹر نے مسلمانوں کے ایک فرقہ کی تو تعریف کی، چنانچہ میں ان کی اس قدر مہربانی اور رحم کا شکر گزار ہوں''۔ (ہمارے ہندوستانی مسلمان، ص ۱۰۹) قارئین کرام! جن حضرات کو برٹش گورنمنٹ نے سرزمین پاک وہند سے اپنا آلۂ کار بنا کر اُن سے تخریب دین کا کام لیا، اُن سے مسلمانوں کی ملّی وحدت کا پارہ پارہ کروایا، ایک اسلام کے متعدد جعلی اسلام بنوائے، اور اس طرح یہاں کے مسلمانوں کو ایک پریشان کن مصیبت میں مبتلا کر اُن کی طاقت کو منتشر اور دین وایمان کو تباہ کروایا۔ (برطانوی مظالم کی کہانی، مؤلفہ عبدالحکیم خاں اختر شاہجہانپوری، ص ۸۰۔۸۱)

پھر آگے چل کر تحریکِ پاکستان کا مطالعہ کیا جائے تو ان کے خواص میں سے چند افراد ہمیں اس تحریک کا حصہ نظر آتے ہیں جیسے راجہ صاحب محمود آباد اور اس کے ہم مسلک کچھ اور ساتھی، لیکن ساتھ ہی تحریکِ پاکستان اور بانی پاکستان کے مخالفین پر اگر نظر ڈالی جائے تو اس دور میں خصوصاً ''آل انڈیا شیعہ پولیٹکل کانفرنس''، مسلم لیگ اور اس کے مقاصد کے خلاف میدانِ عمل میں تھی، حالانکہ راجہ صاحب محمود آباد ان کو مسلم لیگ کی طرف لانے کی بھرپور کوشش کر رہے تھے اور بانی پاکستان نے ۲۵ جولائی ۱۹۴۴ء کو اس پارٹی کے صدر سید ظہیر علی کے تحریر کردہ خط کا جواب دیتے ہوئے انہیں مسلم لیگ کی حمایت اور اس میں شمولیت کی دعوت دی اور اُن کے اندیشوں کو دور کیا، جیسا کہ کتاب ''راجہ صاحب محمود آباد حیات وخدمات'' کے ص ۲۷۹ پر ہے، اس کے علاوہ انہوں نے شیعہ کانفرنس کے سیکریٹری کے نام ۱۳/ اکتوبر ۱۹۴۵ء کو ایک ٹیلی گرام لکھا: ''مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ شیعہ کانفرنس کے رہنماؤں کو ہمارے دشمنوں نے غلط فہمی کا شکار کر دیا ہے اس نازک مرحلے پر میرا ہر شیعہ کو مشورہ ہے کہ وہ بغیر کسی تکلّف کے مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کر لے، اس کے علاوہ ہر اقدام عمومی طور پر مسلمانانِ ہند کے لئے خطرناک اور بڑی حد تک شیعہ مفادات کے لئے نقصان دہ ثابت ہوگا''۔ (راجہ

صاحب محمود آباد حیات وخدمات، ص۲۷۹-۲۸۰) اسی طرح اور بھی خط لکھے اس کے باوجود ۱۹۴۵-۴۶ء کے انتخابات کے موقع پر ایک شیعہ امیدوار حسین بھائی لال جی قائداعظم کے مقابلے میں انتخابات لڑ رہے تھے، مطالبہ پاکستان کی منظوری کا تمام تر دارومدار ۱۹۴۵-۴۶ء کے انتخابات کے نتائج پر تھا“۔ (راجہ صاحب محمود آباد حیات وخدمات، ص۲۸۰)

اور راجہ صاحب نے بھی جنوری ۱۹۴۶ء کو بمبئی سے ایک بیان جاری کیا جس میں انہوں نے بڑے واضح الفاظ میں (شیعہ رہنما) حسین بھائی لال جی اور علی ظہیر (صدر آل انڈیا شیعہ کانفرنس) کی == مذمت اور کہا” گزشتہ دسمبر میں منعقد ہونے والی شیعہ کانفرنس کی کاروائی سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے، ان کے رہنماؤں کی تقاریر سے بھی اس امر کی توثیق ہوجاتی ہے کہ نئی صورتحال میں ان دونوں رہنماؤں کے نظریات ہندو ازم سے زیادہ مختلف نہیں ہیں“۔ شیعہ کانفرنس کی کمیٹی آف ایکشن کانگریس کے جانب سے اپنے پوشیدہ رجحان کا انکشاف کرچکی ہے اور یہ بات طے ہوگئی ہے کہ شیعہ کانفرنس شیعوں کو مسلم لیگ سے بدل کر کے کانگریس کی طرف کھینچنے کی ایک اور کوشش ہے۔ (راجہ صاحب محمود آباد حیات و خدمات، ص۲۸۳-۲۸۴)

۶۱ علامہ ابوالبرکات: استاذالعلماء علامہ ابوالبرکات سید احمد قادری علیہ الرحمہ کی پیدائش الور میں ہوئے، آپ امام المحدِّثین سید دیدار علی شاہ الوری علیہ الرحمہ کے نامور فرزند ارجمند اور ساداتِ الور کی علمی اور دینی وراثت کے امین ہیں، بچپن میں ہی اپنے والد مکرم کے ”دارالعلوم قوت السلام“ کے فاضل اساتذہ سے مستفیض ہوئے، پھر صدرالافاضل سید محمد نعیم الدین مرادآبادی علیہ الرحمہ کے مدرسہ میں داخل ہوگئے، دورۂ حدیث کے لئے اپنے والد مکرم کے مدرسہ آگرہ میں داخل ہوئے اور سند تکمیل حاصل کی۔ ۱۳۳۷ھ میں امام احمد رضا محدِّث بریلوی علیہ الرحمہ کی زیارت کے لئے حاضر ہوئے اور اجازت مطلقہ کی سند حاصل کی، امام المشائخ شاہ علی حسین اشرفی میاں کچھوچھی سے بیعت کا شرف حاصل کیا، بعد میں والدگرامی کے ہمراہ لاہور آئے اور درس وتدریس میں مشغول ہوگئے، والد مکرم کے وصال کے بعد ”دارالعلوم حزب الاحناف“ کے شیخ الحدیث مقرر ہوئے، آپ کے مشاہیر تلامذہ کی فہرست کافی طویل ہے، تقریباً تمام ہی دنیائے علم وادب کے آفتاب وماہتاب ہیں، مرقد انور ”دارالعلوم حزب الاحناف“ لاہور میں مرجع خلائق ہے۔

تحریکِ پاکستان میں آپ کی گراں قدر خدمات تاریخ کا ایک حصہ ہیں، جن کا اپنے اور پرائے سب ہی اعتراف کرتے ہیں، تحریکِ پاکستان کی حمایت ونصرت کا مرحلہ آیا تو آپ نے دوقومی نظریہ اور قراردادِ پاکستان کی حمایت کی اور مطالبۂ پاکستان کی تائید کے لئے سرگرمی سے حصہ لیا، کانگریسی علماء کی تردید اور نظریۂ پاکستان کی تائید کے لئے اپنے دارالعلوم کے سالانہ جلسوں کو وقف کردیا تھا۔ ۱۹۴۶ء میں ”آل انڈیا سُنّی کانفرنس“ بنارس میں سرگرمی سے حصہ لیا، اور پاکستان کی حمایت میں ”آل انڈیا سُنّی کانفرنس“ کے تاریخی فتوے پر دستخط ثبت فرمائے، مطالبۂ پاکستان ہی کے سلسلہ میں اسلامی حکومت کا خاکہ مرتب کرنے کے لئے جن اکابر علماء کو نامزد کیا گیا ان میں بھی ابوالبرکات سید احمد قادری علیہ الرحمہ کا نام موجود ہے۔ (ماہنامہ ضیائے حرم، لاہور، اگست ۱۹۹۷ء/ ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ، جلد نمبر ۲۷، شمارہ ۱۰، ص۷۶)

۶۲ علامہ ابوالحسنات: قائدِ تحریکِ ختمِ نبوت علامہ ابوالحسنات سید محمد احمد قادری سادات الور سے تعلق رکھتے ہیں، آپ امام المحدِّثین دیدار علی شاہ الوری علیہ الرحمہ کے نامور فرزند اور مفتیٔ اعظم پاکستان علامہ ابوالبرکات سید احمد قادری علیہ الرحمہ کے بڑے بھائی ہیں، صرف گیارہ برس میں حفظ کلام پاک اور اردو انشاء پردازی اور فارسی میں مہارت حاصل کی، پھر تمام علوم وفنون کی تعلیم والد ماجد سے حاصل کی۔ (تاریخ ساز شخصیات، ص۱۷۹) امام احمد رضا محدِّث بریلوی علیہ الرحمہ اور صدرالافاضل سید محمد نعیم الدین مرادآبادی علیہ الرحمہ سے کسبِ فیض کیا، شیخ المشائخ شاہ علی حسین اشرفی میں کچھوچھوی علیہ الرحمہ سے بیعت ہوئے اور اجازت وخلافت سے مشرف ہوئے۔ حضور داتا گنج بخش علی ہجویری علیہ الرحمہ کے احاطہ میں محوآرام ہیں۔

مختلف تحریکوں مثلاً تحریکِ آزادی کشمیر، تحریکِ ختم نبوت اور تحریکِ پاکستان میں آپ کی گراں قدر خدمات اظہر من الشمس ہیں، تحریکِ پاکستان میں علامہ ابوالحسنات احمد قادری علیہ الرحمہ کا کردار بھی نہایت روشن ہے، تحریکِ پاکستان کو بام عروج پر پہنچانے کے لئے آپ نے مسلم لیگ کے پروگرام کو عوام تک پہنچانے میں شب وروز ایک کردیئے۔

۱۹۴۰ء میں جب منٹو پارک (اقبال پارک) میں قراردادِ پاکستان منظور ہوئی تو مولانا ابوالحسنات علیہ الرحمہ اس جلسہ کے سرگرم کارکنوں سے تھے، ۱۹۴۵ء میں حج مبارک کے لئے تشریف لے گئے تو علماء کے عظیم اجتماع میں تحریکِ پاکستان پر روشنی ڈالی، اور علماء کو اپنا ہمنوا بنایا، بعد میں قائد اعظم علیہ الرحمہ سے ملاقات کرکے نظریۂ پاکستان کی حمایت میں قلمی محاذ سنبھالا۔ ۱۹۴۶ء میں ”آل انڈیا سُنّی کانفرنس“ منعقدہ بنارس میں سرگرمی سے حصہ لیا، ۱۹۴۶-۴۷ء میں جب مسلم لیگ نے ایجی ٹیشن شروع کیا تو آپ نے علماء ومشائخ کے وفود لے کر ہر ضلع کا دورہ کیا اور مسلم لیگ کا پیغام پہنچایا، پاکستان بننے کے بعد ”جمعیت علمائے ہند“ کے مقابلہ میں جب جمعیت علمائے پاکستان کی بنیاد رکھی گئی تو آپ کو صدر منتخب کرلیا گیا۔

(ماہنامہ ضیائے حرم، لاہور، اگست ۱۹۹۷ء/ ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ، جلد نمبر ۲۷، شمارہ ۱۰، ص۷۴-۷۵)

۶۳۔ خواجہ قمر الدین سیالوی: آپ کی خدمات جلیلہ وسیع داخلی محاذ کے علاوہ اور بھی کئی محاذوں پر جاری وساری تھیں، آپ ایک شجاع باعلم وعمل مذہبی مبلّغ ومجاہد تھے، عیسائی مشنریوں کو دندان شکن جوابات دلائل وبراہین سے دیتے تھے، بڑے بڑے مشینری اپنی طلاقت لسانی بھول جاتے تھے، آپ کی مجاہدانہ پے در پے ضربات سے سامریوں کے طلسم پاش پاش ہوجاتے تھے، مرزائیت کا فتنہ ہو یا رفض ونجدیت کے فتنے، عامۃ المسلمین کی جمعیت خاطر کو پراگندہ کرنے کے لئے جہاں کبھی سر اٹھاتے تھے حضرت ان کی سرکوبی سے کبھی غافل نہیں ہوتے تھے۔

علاوہ ازیں تحریکِ آزادیٔ پاکستان کا ایک اور بھی محاذ تھا، انگریز کی غلامی کی بھاری زنجیروں کو توڑنے کے لئے یہ تحریک پورے ہندوستان میں زور وشور سے جاری تھی، اپنے اسلاف کے نقشِ پاک کی پیروی میں آپ نے بھی انگریزوں کے خلاف علم بغاوت بلند رکھا۔ اسلام دشمن اور مسلم دشمن قوتوں کے خلاف جب جہاد شروع ہوا تو لوگ شریک تھے، ان میں حضرت علامہ محمد قمر الدین سیالوی کا نام نامی بھی آتا ہے، اس جہاد میں مالی نقصان اور جسمانی اذیتوں کے علاوہ باہم خاندانی تعلقات کی بھی قربانی دی۔ پنجاب کے نواب، زمیندار اور جاگیردار یونینسٹ پارٹی کے طرفدار تھے اور انگریز کے وفادار، ان لوگوں نے بڑی کوششیں کیں کہ آستانہ عالیہ سیال شریف کے سجادہ نشین اس میں غیر جانبدار رہیں، ان لوگوں نے اپنی مستورات کو بھیجا کہ منت سماجت کریں مگر مرد درویش نے فرمایا اور دوٹوک فرمایا کہ "پاکستان کی جنگ اسلام کی بقاء اور عظمت کی جنگ ہے، میں اس جنگ سے کنارہ کش نہیں رہ سکتا، بلکہ اپنی ہر چیز اس راہ میں قربان کر دینا اپنا فرض سمجھتا ہوں پاکستان کے جھنڈے کو ہاتھ سے رکھ دوں یہ ناممکن ہے، میں آپ لوگوں کو چھوڑ سکتا ہوں لیکن نبی کریم ﷺ کے دین کے جھنڈے کو سرنگوں ہوتا نہیں دیکھ سکتا"۔

پاکستان کے سول نافرمانی کی تحریک چلی تو اس میں بھی آپ نے جان ڈالنے کے لئے اپنا تن من دھن سب کچھ نچھاور کر دیا اور احساس سود وزیاں سے ماوراء ہو کر میدان عمل میں مردانہ وار ڈٹ گئے، ملک بھر میں موجود آستانہ عالیہ سے وابستہ گدیاں سب کو حکم دیا کہ وہ اس جہاد میں شریک ہوں۔ صوبہ سرحد کا ریفرنڈم بھی ایک اہم معرکہ تھا جس میں اس مرد درویش نے مجاہدانہ کردار ادا کیا اور ساتھ ساتھ = تونسہ شریف کے گدی نشین پیر مانکی شریف اور پیر زکوڑی شریف کی کاوشیں پیش پیش تھیں، آپ کی عظیم اور بے لوث خدمت سے متاثر ہو کر قائداعظم نے آپ کو ایک خط لکھا جس میں آپ کی خدمات کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے آپ کا شکریہ ادا کیا، الغرض ان مختصر سطور میں آپ کی خدمات کے خدوخال کو نمایاں کرنے کا حق ادا نہیں ہوتا۔ (ملخصاً از ماہنامہ ضیائے حرم، لاہور، اگست ۱۹۹۷ء/ ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ، جلد نمبر ۲۷، شمارہ ۱۰، ص ۸۶۔۸۸)

۶۴۔ صدر الافاضل: صدر الافاضل علامہ حافظ سید محمد نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمہ کی جائے پیدائش مراد آباد (انڈیا) اور تاریخ پیدائش ماہ صفر ۱۳۰۰ھ/ ۱۸۸۳ء ہے، اور تاریخی نام "غلام مصطفیٰ" ہے، حفظ قرآن کریم اور ابتدائی کُتب کی تعلیم کے بعد مولانا شاہ فضل احمد علیہ الرحمہ سے استفادہ کیا، مولانا سید گل محمد علیہ الرحمہ سے دَورۂ حدیث کی تکمیل اور سندِ فضیلت حاصل کی، سلسلہ عالیہ قادریہ میں اپنے استاذ مکرم مولانا سید گل محمد علیہ الرحمہ سے بیعت ہوئے، پھر شیخ المشائخ شاہ علی حسین اشرفی میاں کچھوچھوی علیہ الرحمہ سے خلافت واجازت حاصل کی اور آپ ہی کی اجازت سے امام اہلسنّت اعلیٰ حضرت محدِّث بریلوی علیہ الرحمہ سے بھی سلسلہ رضویہ میں خلافت واجازت پائی، اور آپ کے معروف خلفاء میں شمار ہونے لگے، آپ کے والد گرامی سید محمد معین الدین نزہت علیہ الرحمہ بھی سلسلہ رضویہ سے منسلک تھے، اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ ہی نے آپ کو "صدر الافاضل" کا خطاب دیا اور ذکر احباب میں فرمایا:

میرے نعیم الدین کو نعمت اس سے بلا میں سماتے یہ ہیں

صدر الافاضل احقاقِ حق اور ابطالِ باطل میں نہایت جری ثابت ہوئے یہی وجہ ہے کہ حضرت نے آپ کو کئی مواقع پر اپنا وکیل مقرر فرمایا، آپ کی ساری زندگی درس وتدریس میں گزری، آپ کے تلامذہ پاک وہند میں بہت سی جامعات کے بانی، کتابوں کے مصنّف اور کئی رسالوں کے مدیر ہیں۔

تحریک پاکستان میں حضرت صدر الافاضل علیہ الرحمہ کی خدمات اظہر من الشمس ہیں۔ ۱۹۳۰ء میں حکیم الامت علامہ محمد اقبال علیہ الرحمہ نے الہ آباد میں مسلم لیگ کے اکیسویں اجلاس میں سیاسی پلیٹ فارم سے تقسیم ہند کی تجویز پیش کی، پھر یہی تجویز ۱۹۳۱ء میں دوسری گول میز کانفرنس کے موقع پر انگلستان میں حکومت برطانیہ کے سامنے پیش کی گئی۔ صدر الافاضل علیہ الرحمہ طبقۂ علماء میں غالباً پہلے عالم ہیں جنہوں نے ۱۹۳۰ء میں "السواد الاعظم" میں اس تجویز کی پُر زور تائید کی۔ آپ ہی نے ۱۹۲۵ء میں "آل انڈیا سُنّی کانفرنس" کی بنیاد رکھی۔

۱۹۴۶ء کی معروف سُنّی کانفرنس بنارس کے آپ روح رواں تھے، اس موقع پر آپ نے یہ اعلان کیا تھا: "اگر آل انڈیا مسلم لیگ کے مطالبے سے دستبردار بھی ہوجائے تو آل انڈیا سُنّی کانفرنس اس مطالبے سے دست کش نہیں ہوگی"۔

تحریکِ پاکستان کا آغاز ہوتے ہی حضرت صدر الافاضل علیہ الرحمہ نے نظریۂ پاکستان سے روشناس کرانے کے لئے "آل انڈیا سُنّی کانفرنس" کے پلیٹ فارم سے غیر منقسم برصغیر کے ہر شہر وقریہ میں علماء اہلسنّت کی جماعت کے ساتھ دَورے شروع کر دیئے۔ صوبہ جات مدراس و

گجرات، کاٹھیاوار، جونا گڑھ، راجپوتانہ، دہلی، یوپی، پنجاب، بہار، غیر منقسم بنگال میں کلکتہ، ہگلی، چوبیس پرگنہ اور ڈھاکہ، کرنافلی، چاٹگام، سلہٹ، پٹرہ وغیرہ میں بغیر سکون وقفہ کے دَورے شروع فرمائے غرضیکہ نظریۂ پاکستان کی پرزور حمایت اور ''آل انڈیا سنی کانفرنس'' کی تنظیم و احیاء کے سلسلہ میں آپ نے دن رات ایک کر دیا تھا۔

قیام پاکستان کے بعد مارچ ۱۹۴۸ء میں صدرالافاضل علامہ سید نعیم الدین مرادآبادی علیہ الرحمہ سید محمد محدِّث کچھوچھوی علیہ الرحمہ، مفتی محمد عمر نعیمی علیہ الرحمہ اور مفتی غلام معین الدین نعیمی علیہ الرحمہ دہلی سے بذریعہ طیارہ پاکستان تشریف لائے، یہاں اسلامی دستور کے نفاذ کے لئے قائداعظم محمد علی جناح علیہ الرحمہ اور نواب زادہ لیاقت علی خان اور دوسرے مقتدر افراد سے گفتگو فرمائی، انہی دنوں آپ کی طبیعت زیادہ خراب ہوگئی جس کی وجہ سے آپ کو فوراً مرادآباد واپس جانا پڑا، اور ان صاحبان سے وعدہ فرمایا کہ دستور اسلامی مرتب کر کے بھیج دوں گا، ہندوستان پہنچنے کے بعد کچھ طبیعت سنبھلی تو آپ نے پاکستان کے دستورِ اسلامی کی تدوین و ترتیب شروع کی، دستور کی تیاری کے لئے مختلف اسلامی ممالک کے دساتیر و قوانین کے مسودے جمع کئے، اسلامی دستور کے خاکہ کے لئے چند ہی (گیارہ) دفعات لکھی تھیں کہ آپ کی صحت دوبارہ خراب ہوگئی، اور رات ساڑھے بارہ بجے ۱۸ ذی الحجہ ۱۳۶۷ھ مطابق ۲۳/اکتوبر ۱۹۴۸ء کو آپ اس جہانِ فانی سے عالم بقاء کی طرف تشریف لے گئے۔ ملخصاً (از ماہنامہ ضیاء حرم لاہور، اگست ۱۹۹۷ء/ ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ، جلد نمبر ۲۷، شمارہ ۱۰۔ و از تاریخ اسلام کی عظیم شخصیت صدر = لافاضل مرتبہ مولانا نور محمد نعیم القادری و مولانا محمد رضوان القادری نعیمی)

۶۵ حجۃ الاسلام: حجۃ الاسلام علامہ محمد حامد رضا خان قادری برکاتی نوری علیہ الرحمہ خلف اکبر و خلیفہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ بریلی شریف میں پیدا ہوئے، آپ کا اسم گرامی ''محمد'' عرف ''حامد رضا'' اور القاب ''حجۃ الاسلام'' اور ''امام الاولیاء'' ہیں۔ درسیات کی تکمیل اپنے والد ماجد سے کی اور فارغ التحصیل ہوئے، علوم مروجہ اور حدیث و تفسیر میں سند فضیلت حاصل کی۔ ایک بلند پایہ خطیب، شعلہ بیان مقرر اور معروف مدرّس علوم دینیہ کی حیثیت سے شہرت پائی، تفسیر و حدیث کی تدریس میں خصوصیت سے مشہور تھے۔ ستر سال کی عمر میں نماز پڑھتے ہوئے واصل باللہ ہوئے۔

تحریکِ پاکستان کو تقویت پہنچانے میں آپ کا کردار کسی سے پوشیدہ نہیں ہے، ۴ شعبان المعظم ۱۳۴۳ھ/ مارچ ۱۹۲۵ء میں مسلمانوں کی مذہبی، علمی اور سیاسی ترقی کے لئے مقتدر علماء نے ''آل انڈیا سُنّی کانفرنس'' کی بنیاد رکھی، کانفرنس کے بانی اراکین میں حجۃ الاسلام کا اسم گرامی سرفہرست ہے، کانفرنس کے پہلے تاسیسی اجلاس منعقدہ ۲۰ تا ۲۳ شعبان المعظم ۱۳۴۳ھ/ ۱۶ تا ۱۹ مارچ ۱۹۲۵ء مرادآباد میں بحیثیت صدرِ مجلس استقبالیہ جو خطبہ ارشاد فرمایا وہ مسلمانوں کے سیاسی، سماجی، مذہبی، معاشی، معاشرتی، عمرانی غرض ہمہ وجوہ ترقی کے واضح اور مکمل لائحہ عمل پر مبنی ہے، وقت گزرنے کے باوجود آج بھی وہ خطبہ واضح نشانِ راہ ہے، اسی خطبہ میں آپ نے ہندو مسلم اتحاد کی بجائے مسلمانوں کے آپس میں اتحاد کی ضرورت پر زور دیتے ہوئے فرمایا: ''بے شک دو گھوڑوں کو ایک گاڑی میں جوت کر زیادہ وزن کھینچا جا سکتا ہے لیکن بکری اور بھیڑیے کو ایک جمع کر کے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا جا سکتا''۔ (ماہنامہ ضیاء حرم، لاہور، اگست ۱۹۹۷ء/ ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ، جلد نمبر ۲۷، شمارہ ۱۰، ص ۶۰)

۶۶ مفتی اعظم ہند: مفتی اعظم ہند علامہ محمد مصطفیٰ رضا خان نوری علیہ الرحمہ خلف اصغر و خلیفہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ ہیں، آپ کی پیدائش کے وقت آپ کے والد ماجد امام احمد رضا محدِّث بریلوی علیہ الرحمہ مارہرہ شریف میں تھے، وہیں اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے خواب میں دیکھا کہ لڑکا پیدا ہوا اور خواب میں ہی ''آل الرحمٰن'' نام رکھا حضرت مخدوم شاہ ابوالحسین احمد نوری علیہ الرحمہ نے ابوالبرکات محی الدین جیلانی نام تجویز فرمایا ''محمد'' کے نام پر عقیقہ ہوا اور عرف مصطفیٰ رضا قرار پایا، آپ نے مولانا شاہ رحم الٰہی منگلوری علیہ الرحمہ سے خصوصی تعلیم حاصل کی، ملک العلماء علامہ محمد ظفر الدین بہاری علیہ الرحمہ کے دارالافتاء میں ان کے رفیق کار رہے۔

آپ نے ''آل انڈیا سُنّی کانفرنس'' کے ہر اجلاس میں باقاعدگی سے شرکت فرمائی، ۱۹۴۶ء میں آل انڈیا سُنّی کانفرنس بنارس میں مشائخ و علماء کی جو کمیٹی دستور مرتب کرنے کے لئے منتخب کی گئی آپ کو اس میں سرفہرست رکھا گیا، نیز مرکزی ''دارالافتاء'' کے سرپرست بھی تجویز کئے گئے۔

تحریکِ پاکستان کی حمایت میں ''آل انڈیا سُنّی کانفرنس'' کے مشاہیر علماء و مشائخ کا متفقہ فیصلہ اخبار ''دبدبہ سکندری'' رامپور شائع ہوا، جس میں مفتی اعظم ہند مصطفیٰ رضا خان علیہ الرحمہ کا نام سرفہرست ہے اس تاریخی فیصلہ کا متن ملاحظہ کیجئے: ''آل انڈیا سُنّی کانفرنس مسلم لیگ کے اس طریقہ عمل کی تائید کر سکتی ہے جو شریعت مطہرہ کے خلاف نہ ہو، جیسے کہ الیکشن کے معاملہ میں کانگریس کو ناکام کرنے کی کوشش اس میں مسلم لیگ جس سُنّی مسلمان کو بھی اُٹھائے سُنّی کانفرنس کے اراکین و ممبران اس کی تائید کر سکتے ہیں ووٹ دے سکتے ہیں دوسروں کو اس کے ووٹ دینے کی ترغیب دے سکتے ہیں مسئلۂ پاکستان یعنی ہندوستان کے کسی حصہ میں آئین شریعت کے مطابق فقہی اصول پر حکومت قائم کرنا سُنّی کانفرنس کے نزدیک محمود و مستحسن ہے''۔

مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ نے وائسرائے ہند کے نام ایک ٹیلی گرام میں بھی اس بات پر زور دیا کہ صرف مسلم لیگ ہی ہندوستان کے مسلمانوں کی نمائندہ جماعت ہے، مسلم لیگ کے مؤقف کی حمایت میں مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کی تار کی خبر اور دیگر علمائے بریلی کا بیان ہفت روزہ ''الفقیہ'' امرتسر میں بھی منظر عام پر آیا۔

۱۹۴۶ء کے فیصلہ کُن الیکشن میں مفتی اعظم ہند مولانا محمد مصطفیٰ رضا خاں علیہ الرحمہ نے بریلی میں مسلم لیگ کے امیدوار کے حق میں سب سے پہلا ووٹ ڈالا، لیگی رضا کار انہیں جلوس کی شکل میں مفتی اعظم پاکستان کے نعرے لگاتے ہوئے واپس آستانہ رضویہ تک لائے، اس تاریخی واقعہ کو مولانا تقدس علی خان بریلوی علیہ الرحمہ نے مولانا محمد عبدالحکیم شرف قادری مدظلہ کے نام ایک خط میں یوں فرمایا ہے: ''حضرت مفتی اعظم ہند قدس سرہ العزیز غالباً ۱۹۴۶ء کے الیکشن میں جس میں کانگریس اور مسلم لیگ کا = سخت مقابلہ تھا اور یہ فیصلہ ہونا تھا کہ پاکستان بنے یا نہیں؟ اس میں اول ووٹ حضرت کا ہوا، امیدوار عزیز احمد خان ایڈووکیٹ تھے، عزیز احمد خان مسلم لیگ کی طرف سے تھے اور ووٹ ڈالنے کے بعد حضرت کو جلوس کی شکل میں مسلم لیگ کے رضا کار ''مفتی اعظم پاکستان'' کے نعروں کے ساتھ آستانہ شریف پر واپس لائے''۔ (ماہنامہ ضیائے حرم، لاہور، اگست ۱۹۹۷ء/ ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ، جلد نمبر ۲۷، شمارہ ۱۰، ص ۶۷۔۶۸)

۶۷۔ صدر الشریعہ: حکیم ابوالعلاء صدر الشریعہ علامہ محمد امجد علی اعظمی علیہ الرحمہ اعظم گڑھ یوپی کے ایک علمی گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں، ابتدائی کُتُب اپنے جد امجد اور بھائی مولانا محمد صدیق علیہ الرحمہ سے پڑھیں، بعد ازاں مدرسہ حنفیہ جونپور میں مولانا ہدایت اللہ خان علیہ الرحمہ سے کسبِ فیض کیا، پھر امام المحد ثین علامہ وصی احمد محدِّث سورتی علیہ الرحمہ سے پڑھنے کے بعد بارگاہِ رضوی سے منسلک ہوگئے اور خلافتِ سلسلہ رضویہ قادریہ و اجازتِ حدیث سے نوازے گئے۔ دار العلوم ''منظر اسلام'' بریلی میں برسوں حدیث اور دوسرے فنون کی تعلیم دی، بارہ سال اجمیر مقدس میں صدر المدرسین کے عہدہ پر فائز رہے۔

صدر الشریعہ علام محمد امجد علی اعظمی علیہ الرحمہ دو قومی نظریہ کے عظیم مبلّغ اور راہنما تھے، مارچ ۱۳۳۹ھ/ ۱۹۲۱ء کو بریلی میں جمعیۃ العلماء ہند کا اجلاس منعقد ہوا، جس میں ابوالکلام آزاد، کے علاوہ دوسرے لیڈر بھی شریک ہوئے، جمعیت کے لیڈر اس جوش و خروش سے آئے تھے کہ گویا ''ہندو مسلم اتحاد'' کے مخالف علماء اہلسنّت کو لاجواب کردیں گے، مولانا محمد امجد علی اعظمی علیہ الرحمہ نے جماعت رضائے مصطفیٰ بریلی کے شعبہ علمیہ کے صدر کی حیثیت سے اراکین جمعیت کے ہندوؤں سے اتحاد کے بارے میں ستر سوالات (اتمام حجت نامہ) مرتّب کرکے قائدین جمعیت کو بھجوایا، بار بار اصرار اور مطالبہ کے باوجود انہوں نے کوئی جواب نہ دیا۔

اعلیٰ حضرت مُحدِّث بریلوی علیہ الرحمہ کے چھبیویں عرس مبارک منعقدہ ۲۳، ۲۵ صفر المظفر ۱۳۲۵ھ/ ۲۸، ۳۰ جنوری ۱۹۴۶ء کو بریلی شریف میں تحریکِ پاکستان کی راہ ہموار کرتے ہوئے صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے فرمایا: ''ہماری تمام سُنّی کانفرنسیں جو ملک کے گوشہ گوشہ میں ہر ہر صوبہ میں قائم ہیں، کانگریس کے مقابلہ میں پوری جدوجہد کررہی ہیں، چنانچہ پچھلے الیکشن میں ان کانفرنسوں کی کوششیں== کامیاب ہوئیں اور کانگریس کو شکست ہوئے، سُنّی کانفرنس کی کوششیں بہت مفید ثابت ہوئیں، اس وقت ہم پھر یہی اعلان کرتے ہیں کہ مسلمان کانگریس کو اور کانگریس کے کھڑے ہوئے امیدوار کو کانگریس کی حامی جماعتوں جمعیت علماء دیوبندی پارٹی مولوی حسین احمد کے زیر اثر طوفان برپا کررہی ہے۔ اس کے علاوہ احرار و خاکسار یونینسٹ وغیرہ جن سے کانگریس کو مدد پہنچ رہی ہے یا جو کانگریس کی ہواخواہی میں ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں، مسلمان ہرگز ان کی فریب کاری میں نہ آئیں۔

اپریل ۱۹۴۶ء میں بنارس کے مقام پر منعقد عظیم الشان ''سُنّی کانفرنس'' کو قیام پاکستان کی بنیادی حیثیت حاصل ہے، اس میں اسلامی حکومت کے لئے لائحہ عمل مرتب کرنے کے لئے جلیل القدر علماء کی ایک کمیٹی بنائی گئی جس کے ممتاز اراکین میں حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ شامل تھے۔ (ماہنامہ ضیائے حرم، لاہور، اگست ۱۹۹۷ء/ ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ، جلد نمبر ۲۷، شمارہ ۱۰، ص ۶۱۔۶۲)

۶۸۔ مفتی برہان الحق جبل پوری: مفتی اسلام مفتی برہان الحق جبل پوری علیہ الرحمہ کی ولادت جبل پور (مدھیا پردیش، بھارت) میں ہوئی، ابتدائی تعلیم عم محترم قاری بشیر الدین علیہ الرحمہ اور والد ماجد مولانا عبدالسلام جبل پوری علیہ الرحمہ سے حاصل کی۔ پھر بریلی شریف حاضر ہوئے اور دار الافتاء میں امام احمد رضا محدث بریلوی کے ارشادات قلم بند کرتے رہے، کم و بیش تین سال بریلی شریف میں کسبِ فیض کیا، امام احمد رضا مُحدِّث بریلوی علیہ الرحمہ سے نہ صرف آپ کے بلکہ آپ کے جد امجد مولانا عبدالکریم علیہ الرحمہ اور والد ماجد مولانا عبدالسلام علیہ الرحمہ کے بھی گہرے مراسم اور تعلقات تھے، والد ماجد کو اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ سے اجازت و خلافت بھی حاصل تھی۔

مفتی محمد برہان الحق جبل پوری علیہ الرحمہ نے بھی اعلیٰ حضرت کے دیگر خلفاء کے ساتھ تحریکِ پاکستان میں بھرپور حصہ لیا۔ ''آل انڈیا سُنّی کانفرنس'' میں بڑھ چڑھ کر کاوشیں کیں، جبل پور میں اس کی شاخ قائم کی اور بنارس کانفرنس میں شرکت فرمائی۔ آپ تحریکِ پاکستان کو کامیاب کرنے کے لئے مسلم لیگ جبل پور کے صدر مقرر ہوئے، یکم تا ۳ جنوری ۱۹۴۰ء جبل پور (سی پی) کے تاریخی اجلاس میں صدر مسلم لیگ نے جو

http://www.rehmahi.net

خطبۂ صدارت پیش فرمایا اس کا ایک ایک لفظ علمائے اہلسنّت کی سیاسی بصیرت، مسلم لیگ اور تحریکِ پاکستان کے ساتھ والہانہ لگاؤ اور اس دور میں عوام اہلسنّت کی جذباتی کیفیات کا آئینہ دار ہے، اسی خطبۂ صدارت میں آپ نے فرمایا: ''اس کانفرنس کے انعقاد سے ہمارا یہ مقصد یہ تھا کہ ہم اپنی آواز ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں پہنچا کر دنیا کو اپنی مظلومانہ حالت بتائیں اور اپنے اضلاع صوبہ سی۔ پی کے مسلمانوں کو مسلم لیگ کے پرچم کے نیچے منظم اور متحد ہونے کی دعوت دیں''۔

۱۹۴۰ء میں قرار دارِ پاکستان کی منظوری کی بعد آپ نے ملک کے طول وعرض میں دَورے کئے، سرحد، پنجاب، سندھ میں تحریکِ پاکستان کی حمایت میں زوردار تقریریں کیں پاکستان کی آزادی کے لئے آپ کی کوششوں کو قائدِاعظم محمد علی جناح نے سراہا اور شکریہ کا خط بھی لکھا اس ضمن میں آپ خود فرماتے ہیں: ''فقیر نے تعمیر پاکستان میں جونمایاں حصہ لیا اور مسٹر جناح کے مشن کو تقویت دینے کے لئے صوبہ پنجاب، صوبہ سرحد اور صوبہ سندھ کا پورا دَورہ کیا اور اس سلسلے میں فقیر کی جو تقریریں ہیں وہ ایک علیحدہ موضوع ہے، جو بعونہ تعالیٰ قلم بند ہے مگر فقیر اپنی شہرت کا کبھی طالب ہوا نہ اس کی ضرورت سمجھی۔ مسٹر جناح کے ایک شکریہ کا خط بھی محفوظ ہے، اللہ تعالیٰ میرے کوششوں کو قبول فرمائے اور پاکستان کو ہر قسم کے شر و فساد اور پریشانی سے محفوظ رکھے، آمین۔ (ماہنامہ ضیائے حرم، لاہور، اگست ۱۹۹۷ء/ ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ، جلد نمبر ۲۷، شمارہ ۱۰، ص ۶۶۔۶۷)

۶۹ حضرت پیر عبدالرحمٰن اور پیر عبدالرحیم شہید دونوں نے تحریکِ پاکستان کی کامیابی اور قیامِ پاکستان کے لئے ناقابل فراموش خدمات انجام دیں۔

۷۰ مفتی اعظم سرحد: مولانا شائستہ گل بن مولانا محمد علی (۱۸۳۷ء۔۱۹۲۵ء) بن ملک العلماء مولانا عمر دراز کی ولادت ۱۸۹۱ء میں موضع لنڈی شاہ متہ ضلع مردان ضلع مردان (سرحد) کے یوسف ''یوسف زئی منڈر افغان قبیلہ'' میں ہوئی، والدگرامی کے علاوہ مختلف نامورعلماء سے علمی استفادہ کیا، سندِ حدیث مولانا عبدالعلی دہلوی سے حاصل کی، نیز جون پور (بھارت) کے دارالعلوم حنفیہ سے بھی دورۂ حدیث کی تکمیل کر کے سند فراغت حاصل کی، قرأت مولانا مولوی قاری عبدالسلام بن عبدالرحمٰن پانی پتی سے پڑھی، تیس سال کی عمر تمام علوم مروجہ معقول ومنقول میں کمال حاصل کرلیا، فراغتِ علم کے بعد درس وتدریس اور افتاء کو مقصد حیات بنالیا، اپنے گاؤں ''دارالعلوم حنفیہ سُنّیہ'' کے نام سے مدرسہ قائم کیا جس میں درس نظامی کا مکمل اہتمام تھا۔

آپ نے سلسلہ عالیہ قادریہ زاہدیہ میں حضرت پیر عبدالوہاب آف مانکی شریف (۱۷۹۷ء۔۱۹۰۴ء) کے دستِ حق پرست پر بیعت کی تھی، مذہبی مصروفیات وخدمات کے ساتھ ساتھ سیاست میں بھی بھرپور دلچسپی لی اور ''تحریک خدائی خدمتگار'' میں شامل ہوکر خان عبدالغفار خان کے دوبدوش آزادی کی جدوجہد میں حصہ لیا، مگر جب خان موصوف نے اپنی تنظیم کو انڈین نیشنل کانگریس میں مدغم کر دیا تو آپ نے اس سے اختلاف کرتے ہوئے علیحدگی اختیار کرلی اور مسلم لیگ میں شامل ہوگئے۔

۱۹۴۵ء میں پیر صاحب مانکی شریف محمد امین الحسنات نے آپ کے مشورے سے مانکی شریف میں علماء ومشائخ کی کانفرنس طلب کی جس میں سینکڑوں علمائے کرام اور مشائخ عظام نے شرکت کی، اس عظیم الشان اجتماع میں ''جمعیت الاصفیاء'' کی تشکیل عمل میں لائی گئی جس کا ناظم مولانا شائستہ گل اور صدر پیر مانکی شریف کو منتخب کیا گیا، اس اجتماع کی صدارت پیر معصوم چوراہی نے کی تھی، اس اجتماع میں مسلم لیگ کی حمایت کا اعلان کیا گیا، پھر مسلسل دَورے کرکے مولانا شائستہ گل نے صوبہ سرحد میں مسلم لیگ کی جڑیں مضبوط کیں حتی کہ پاکستان معرضِ وجود میں آگیا۔

قیامِ پاکستان کے بعد جب صوبہ سرحد میں مسلم لیگی وزارت خان عبدالقیوم خاں نے سنبھالی تو مولانا شائستہ گل نے اپنی تقاریر میں نفاذ شریعت کا مطالبہ شروع کردیا، مسلم لیگ کے جلسۂ کوہاٹ میں شریک ہوکر مسلم لیگ کو شریعت کے نفاذ کا وعدہ یاد دلا کر پُرزور مطالبہ کیا، حکومت کو آپ کی یہ بات ناگوار گزری اور واپسی پر درۂ کوہاٹ کی چوٹی پر آپ کو پکڑ کر تین دن تک حوالات میں بند کردیا گیا، بعدازاں گیارہ ماہ کے لئے خارج از پاکستان کردیا، آپ وہاں سے سیدھے سوات میں تھانہ کے مقام پر گئے اور وعظ ونصیحت میں مصروف ہوگئے، اب آپ کو مسلم لیگ سے کلی طور پر مایوسی ہوگئی، اور سیاست سے کنارہ کشی اختیار کرکے عائد حقہ کی تبلیغ میں مصروف ہوگئے۔

آپ کی وفات حسرت آیات ۵ رمضان المبارک ۱۴۰۱ھ مطابق ۷ جولائی ۱۹۸۱ء بروز منگل مردان میں ہوئی اور وہیں سپردخاک ہوئے۔ ملخصاً (تحریک پاکستان اور علمائے کرام، مؤلفہ محمد صادق قصوری، ص ۳۹۷۔۳۹۹)

۷۱ پیر آف مانکی شریف: پیر محمد امین الحسنات بن پیر عبدالرؤف (ف ۱۹۳۴ء) بن پیر عبدالحق (ف ۱۹۲۸ء) بن پیر عبدالوہاب قادری (ف ۱۹۰۴ء) کی ولادت یکم فروری ۱۹۲۲ء/ ۳ جمادی الثانی ۱۳۴۰ھ بروز بدھ خانقاہ قادریہ مانکی شریف ضلع پشاور میں ہوئی، بعمر چھ سال والدہ ماجدہ کا سایہ سر سے اٹھ گیا اور گیارہ بارہ سال بعد شفقتِ پدری سے بھی محروم ہوگئے، حفظ قرآن پاک کے بعد مختلف علماء کرام سے جملہ علوم متداولہ کی تحصیل کی، دوران تعلیم ہی والد ماجد کی رحلت پر سجادگی کی ذمہ داریوں کا بوجھ اٹھانا پڑا۔

پیر صاحب مانکی شریف انتہائی فعال، بلند اخلاق، مدبر اور دانشمند انسان تھے، انہوں نے روحانیت اور سیاست کے میدان میں انمٹ نقوش چھوڑے ہیں۔ ہندو اقلیت والے صوبہ سرحد میں اسلام کو ہندو اکثریت والے صوبوں سے زیادہ خطرہ درپیش تھا، آخر بہت سوچ بچار کے بعد پیر صاحب نے ۱۴؍اکتوبر ۱۹۴۵ء کو مانکی شریف میں علماء و مشائخ کی کانفرنس طلب کی جس میں سینکڑوں جید علمائے کرام اور مشائخ عظام نے شرکت کی، اس عظیم الشان اجتماع میں ''جمعیت الاصفیاء'' کی تشکیل عمل میں لائی گئی، پیر صاحب کو مجبور کر کے اس کا صدر بنایا گیا، آپ نے اعلان کیا کہ ''انتخابات میں مسلم لیگ کے امیدواروں کی حمایت کی جائے گی، ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ ایک علیحدہ اسلامی مملکت پاکستان کے قیام کی بھرپور حمایت کرے اور اس کے بنانے میں کسی قسم کی قربانی سے دریغ نہ کرے''۔

۱۹ نومبر ۱۹۴۵ء کو قائد اعظم جب پشاور پہنچے تو ایک شاندار اور تاریخی جلوس نکالا گیا، اس میں ایک میٹنگ قائد اعظم صدارت میں ہوئی جس میں پیر صاحب مانکی شریف اور دوسرے اہم مسلم لیگی لیڈر شریک ہوئے، اس موقعہ پر پیر صاحب نے مسلم لیگ میں شمولیت کا اعلان کیا۔

اپریل ۱۹۴۶ء میں حضرت امیر ملت پیر سید جماعت علی شاہ محدِّث علی پوری (ف ۱۹۵۱ء) کی زیر صدارت ''آل انڈیا سُنّی کانفرنس'' بنارس کا انعقاد ہوا تو پیر صاحب مانکی شریف نے سرحد کے علماء و مشائخ کی کثیر تعداد کے ساتھ اس میں شرکت کی اور اڑھائی گھنٹے تک خطاب فرمایا، دورانِ تقریر آپ نے فرمایا کہ ''میں نے قائد اعظم سے وعدہ لیا ہے کہ اگر انہوں نے مسلمانوں کو دھوکا دیا یا اسلام کے خلاف کوئی نظام جاری کرنے کی کوشش کی تو آج ہم جس طرح آپ کو دعوت دے رہے ہیں اور آپ == کی قیادت کو مان رہے ہیں کل اس طرح اس کے برعکس ہو گا''۔

۲۱ فروری کو دن کے دو بجے چوک یادگار پشاور میں پیر صاحب مانکی شریف کی زیر سرپرستی مسلم لیگ کے زیر اہتمام ایک بہت بڑا جلسہ منعقد ہوا جس سے خان فدا محمد خان، خان بخت جمال خان اور ارباب عبدالغفور خان نے خطاب کیا، پیر صاحب کے ہزاروں مرید اس جلسے میں شریک تھے۔

تحریک سول نافرمانی میں پیر صاحب مانکی شریف نے پورے صوبے کا طوفانی دورہ کیا، تقریریں اور رائے عامہ کو بیدار کیا، ۲۸ مارچ ۱۹۴۷ء کو گرفتار کر لئے گئے اور ۳ جون ۱۹۴۷ء کو رہا ہوئے۔ ۱۳؍اگست ۱۹۴۷ء کو قائد اعظم نے کراچی سے فون پر آپ کو قیام پاکستان کی مبارک باد دی اور کہا: ''پاکستان'' قائم ہو گیا اور یہ سب آپ کی برکت ہے، جواباً پیر صاحب نے بھی مبارک باد دی۔ قیام پاکستان کے بعد پیر صاحب مانکی شریف کو وزارت کی پیش کش کی گئی لیکن آپ نے کمال بے نیازی سے فرمایا کہ ''درویشوں کو وزارت سے کوئی سروکار نہیں''۔

۵ جنوری ۱۹۶۰ء/ ۱۳۷۹ھ کو مانکی شریف سے اٹک جاتے ہوئے آپ کی کار فتح جنگ کے قریب حادثے کا شکار ہو گئی، ڈرائیور نے تو موقع پر دم توڑ دیا مگر آپ بری طرح زخمی ہو جانے کی وجہ سے ملٹری ہسپتال راولپنڈی میں داخل کئے گئے لیکن زخموں کی تاب نہ لا کر ۲۸ جنوری ۱۹۶۰ء کو یہ روحانی پیشوا اور مجاہد آزادی اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ ملخصاً (تحریک پاکستان اور مشائخ عظام، مؤلفہ محمد صادق قصوری، ص ۱۴۳۔۱۵۶)

۲؎ شیخ القرآن: شیخ القرآن مولانا علامہ محمد عبدالغفور بن مولانا عبدالحمید بن مولانا محمد عالم کی ولادت باسعادت ۲۰ ربیع الاول ۱۳۲۸ھ/ یکم اپریل ۱۹۱۰ء بروز جمعۃ المبارک ہری پور ضلع ہزارہ کے قریبی گاؤں چنبہ پنڈ میں ہوئی، آپ کا خاندان کئی پشتوں سے علم و ادب کا گہوارہ تھا، ابتدائی تعلیم والد ماجد سے حاصل کرنے کے بعد مختلف اساتذہ کرام سے استفادہ کیا، پھر دہلی کے مختلف مدارس میں پڑھنے کے بعد بریلی شریف تشریف لے جا کر اعلیٰ حضرت فاضل مولانا شاہ احمد رضا خان علیہ الرحمہ کے بڑے صاحبزادہ حجۃ الاسلام سے مولانا شاہ حامد رضا خان علیہ الرحمہ سے زانوئے تلمذ طے کیا، فارغ التحصیل ہونے کے بعد بریلی شریف ہی میں مسندِ درس و تدریس پر فائز ہو گئے، قابلیت ولیاقت کا یہ عالم تھا کہ مشکل ترین مسائل کو بھی نہایت آسانی سے حل کر دیا کرتے تھے، اسی بنا پر حضرت حجۃ الاسلام علیہ الرحمہ نے آپ کو ''ابوالحقائق'' کا خطاب بخشا۔

حضرت شیخ القرآن نے تحریکِ پاکستان میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، ۱۴؍جولائی ۱۹۳۵ء کو لاہور کی تاریخی جلسہ گاہ موچی دروازہ ''مجلسِ اتحاد ملت'' کی بنیاد رکھی گئی تو آپ کو مرکزی نائب منتخب کیا گیا، مجلس اتحاد ملت کے پلیٹ فارم سے آپ نے گرانقدر خدمات انجام دیں، ۱۹۳۸ء میں مسلم لیگ سے وابستہ ہو گئے اور قیام پاکستان تک ہر طرح سے اس کی معاونت کرتے رہے، مسلم لیگ میں شمولیت کی تفصیل کچھ یوں ہے کہ ۱۸، ۱۹؍اپریل ۱۹۳۸ء کو آل انڈیا لیگ کا سالانہ کلکتہ میں انعقاد پذیر ہوا، ۱۹؍اپریل کے اجلاس میں قائد اعظم کی موجودگی میں آپ نے ''مجلس اتحادِ ملت'' کے توڑنے اور مسلم لیگ میں مدغم کرنے کا اعلان کیا، آپ نے اپنی پُر مغز تقریر میں کہا: ''آج سے ہم اپنی ''مجلس اتحاد ملت'' کو مسلم لیگ میں مدغم کرنے کا فیصلہ کیا ہے، اب ہم مسلم لیگ کے پرچم تلے ملک و قوم کی خدمت سرانجام دیں گے، اس جماعت کے ''جیش نیلی پوش'' اب مسلم لیگ کے سپاہی ہوں گے''۔

مارچ ۱۹۴۰ء میں جب منٹو پارک (اقبال پارک) لاہور میں قرارداد پاکستان منظور ہوئی تو اس وقت برصغیر کے ممتاز مسلم لیگی لیڈر تشریف فرماتھے، اہلسنّت کی نمائندگی مولانا عبدالحامد بدایونی اور حضرت شیخ القرآن وغیرہما کر رہے تھے۔ ۱۹۴۱ء میں آپ نے وزیر آباد ’’پاکستان کانفرنس‘‘ منعقد کرائی، یہ صوبہ پنجاب میں پہلی کانفرنس تھی جس میں نظریۂ پاکستان کی وضاحت کی گئی۔

فروری ۱۹۴۶ء کے صوبائی انتخابات میں حضرت شیخ القرآن نے مسلم لیگی امیدواروں کی حمایت میں طوفانی دَورے کیے، اُن کے اپنے حلقہ پنجاب اسمبلی گوجرانوالہ شمالی میں مسلم لیگ کے امیدوار چوہدری صلاح الدین چٹھہ آف احمد نگر تھے، حضرت شیخ القرآن نے مسلم لیگی امیدوار کی ڈٹ کر حمایت کی اور اسے کامیاب وکامران کرایا۔

جنوری ۱۹۴۷ء میں سر خضر حیات ٹوانہ وزیر اعلیٰ پنجاب کے خلاف سول نافرمانی کی تحریک چلی اور گورنر پنجاب مسٹر ڈگلس نے مسلم لیگیوں سے خائف ہو کر باغی قرار دیا اور دھڑا دھڑ گرفتاریاں شروع ہو گئیں، ضلع گوجرانوالہ میں تحریکِ پاکستان کے سلسلے میں گرفتاری کی سعادت سب سے پہلے حضرت == شیخ القرآن ہی کے حصہ میں آئی، اس کے بعد دوسرے کارکن گرفتار ہوئے، حضرت شیخ القرآن نے اپنے زمانۂ اسیری کو ڈسٹرکٹ جیل گوجرانوالہ میں بڑی ہمت وپامردی اور خندہ پیشانی سے گزارا۔

پاکستان کے وجود میں آنے کے بعد آپ نے سیاست کو خیر آباد کہہ دیا اور اپنی تمام تر توجہ اسلام کی خدمت پر مرکوز کر دی۔ ۱۹۵۳ء کی ’’تحریکِ ختم نبوت‘‘ میں کفن بردوش ہو کر دیگر مجاہد علماء کے ساتھ میدان میں آگئے اور اپنے جادو بیانی سے ملک میں مرزائیت کا ناطقہ بند کر دیا۔

آپ شروع ہی سے صبح کی سیر کے عادی تھے، چنانچہ ۷ر شعبان المعظم ۱۳۹۰ھ مطابق ۹ر اکتوبر ۱۹۷۰ء بروز جمعۃ المبارک جب معمول وزیر آباد کے نواحی نالہ پلکھو سے جی ٹی روڈ پر گزر رہے تھے کہ اچانک ایک ٹرک کی زد میں آگئے، جس سے آپ بُری طرح زخمی ہو گئے، فوراً ہسپتال پہنچایا گیا، آپ کے ضبط وتحمل ملاحظہ ہو کہ آحری لمحات میں آنکھیں کھول کر فرمایا: ’’میں نے مجرم کو معاف کیا‘‘۔ اور پھر کلمہ طیبہ کا ورد کرتے ہوئے مالکِ حقیقی سے جا ملے۔ ملخصاً (تحریک پاکستان اور علمائے کرام، مؤلفہ محمد صادق قصوری، ص ۳۲۳۔۳۳۰)

۳ے پیر آف زکوڑی شریف: تحریکِ پاکستان کے نامور مجاہد قائد اعظم کے معتمد رفیق اور ممتاز روحانی پیشوا پیر عبداللطیف کی ولادت ۱۳ ذوالحجہ ۱۳۳۳ھ/ ۲ نومبر ۱۹۱۴ء بروز پیر خانقاہ عالیہ زکوڑی شریف، ڈیرہ اسماعیل خاں (صوبہ سرحد) میں ہوئی۔ والد ماجد کا اسم گرامی حضرت مولانا فقیر عبدالقادر (ف ۱۹۱۹ء) بن مولانا پیر محمد حسن (ف ۱۸۹۷ء) بن امام المشائخ حضرت فقیر محمد رضا نوحانی زکوڑی (ف ۱۸۵۷ء) تھا۔ میٹرک کرنے کے بعد دینی تعلیم کے حصول کے لئے زکوڑی شریف، بنوں اور سیپل شریف میں مختلف اساتذہ کے سامنے زانوئے تلمذ کیا، ۱۹۳۲ء میں اپنے بڑے بھائی مولانا پیر عبیداللہ خاں کی رحلت کے بعد سجادہ نشین بنے۔

۱۹۳۹ء میں ڈیرہ اسماعیل خان میں مسلم لیگ کی بنیاد رکھی گئی، پیر صاحب بھی اپنے دوستوں سمیت مسلم لیگ میں عملی طور پر شریک ہو گئے، ۱۹۴۰ء میں جلسۂ قراردادِ پاکستان کے موقع پر ۲۳ مارچ کو نوجوان پیر صاحب نے ڈیرہ اسماعیل خاں کی نمائندگی کی اور پھر تحریکِ پاکستان کو ہر دل کی دھڑکن بنانے کے لئے صوبہ سرحد کے کونے کونے میں دورے کر کے مسلم لیگ کی شاخیں قائم کیں اور جلسے کیے، دوسرے صوبوں سے بھی مقررین کو بلایا جن میں نواب بہادر یار جنگ (ف ۱۹۴۴ء)، مولانا کرم علی ملیح آبادی (ف ۱۹۷۲ء) اور مولانا عبدالحامد بدایونی (ف ۱۹۷۰ء) بھی شامل تھے۔

۴۵۔۱۹۴۶ء میں صوبہ سرحد میں مسلم لیگ کو فعال بنانے کے لئے تین بورڈ قائم کیے گئے، ایک بورڈ کا نام سلیکشن بورڈ تھا جس کا کام آئندہ انتخابات کے لئے موزوں امیدواروں کا انتخاب تھا، پیر زکوڑی شریف کو اس بورڈ کا ممبر منتخب کیا گیا، اس بورڈ نے تمام سرحد کا دورہ کیا۔ تمام صوبہ کا دَورہ کرنے کے بعد بورڈ نے اپنے اجلاس میں عام انتخابات کے لئے بالاتفاق ٹکٹ تقسیم کیے، پیر صاحب کو حلقہ لکی مغربی سے نامزد کیا گیا۔

جب انتخابات کا نتیجہ نکلا تو پچاس کے ایوان میں سے مسلم لیگ کے حصہ میں سترہ سیٹیں آئیں جن میں سے دو تین سیٹیں صرف پیر صاحب کی وجہ سے جیتی گئیں، پیر صاحب اپنی سیٹ سے ۵۵۷۱ ووٹ لے کر جیت گئے جب کہ ان مدمقابل آزاد امیدوار خان عبدالستار کو ۳۷۷۶ ووٹ ملے۔

اس کے بعد سرحد میں ڈاکٹر خانصاحب کی کانگریسی وزارت نے مسلمانانِ سرحد کا قافیہ تنگ کر دیا، ان پر بے پناہ مظالم توڑے گئے، آخر صوبہ سرحد کے عوام باطل کا مقابلہ کرنے کے لئے ڈٹ گئے، حکومت نے مسلم لیگ کے جلسے جلوسوں پر پابندی عائد کر دی، مسلم لیگ کے اہم لیڈروں کو گرفتار کر لیا گیا اور گرفتار شدگان کی اکثریت ڈیرہ اسماعیل خان میں پابہ زنجیر کر دی گئی جن میں پیر مانکی شریف شامل تھے۔

جیل میں تمام سیاسی قیدی پانچوں وقت نماز باجماعت ادا کرتے جن کی امامت کے فرائض پیر صاحب زکوڑی شریف ادا فرماتے۔ ۳ جون ۱۹۴۷ء کو وائسرائے پلان کا اعلان ہوا جس کے تحت تقسیم ملک کا فیصلہ کیا گیا، صوبہ سرحد میں استصواب رائے کا مرحلہ آیا تو ملک بھر کے سیاسی قیدیوں کو رہا کر دینے کا اعلان ہوا، اس طرح پیر صاحب اور ان کے ہزاروں ساتھی جیل سے باہر آئے۔

۱۰ جون ۱۹۴۷ء کو صوبہ سرحد کے نمائندگان کا خصوصی اجلاس حضرت قائد اعظم کی صدارت میں ہوا جس میں صوبہ سرحد کی سیاسی حالت اور

دیگر مسائل زیرِ بحث آئے اور آخر میں بالاتفاق صوبہ سرحد کے لئے ریفرنڈم کا سربراہ پیر صاحب زکوڑی شریف کو مقرر کیا گیا۔ ریفرنڈم کے لئے کانگریس کے صندوقچہ کا رنگ سرخ اور مسلم لیگ کے صندوقچہ کا رنگ سبز تھا، ان سرخ اور سبز رنگ کے الفاظ سے فائدہ اٹھا کر پیر صاحب جلسوں میں اپنی خطابت کے یوں جوہر دکھاتے: ''لوگو! دیکھو، جہنم کا رنگ سرخ ہے، آگ کے شعلے سرخ ہیں، انگریز کا منہ سرخ ہے، بندر کا چہرہ سرخ ہے، تباہی مچانے والی آندھی کا رنگ سرخ ہے اور کفر کے صندوق کا بھی رنگ سرخ ہے جو اس سرخ صندوق میں ووٹ ڈالے گا وہ جہنم کی دہکتی ہوئی آگ میں ڈالا جائے گا۔ اس کے مقابلے میں چمن زار سبز ہے، روضہ مبارک کا رنگ سبز ہے، حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے جبہ اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے علَم کا رنگ سبز ہے، مسلم لیگ کے پرچم کا رنگ سبز ہے جو اس سبز رنگ کے صندوق میں ووٹ ڈالے گا وہ بہشت کے سبز رنگ کے پرندوں کے ساتھ بہشت میں خوشی سے پرواز کرے گا''۔ آخر پیر صاحب اور ان کے مخلص ساتھیوں کی سعی و کاوش رنگ لائی، ریفرنڈم کے دن پولنگ اسٹیشنوں پر پاکستان کے حق میں ووٹ ڈالنے والوں کی لمبی لمبی قطاریں لگی ہوئی تھیں، لیکن کانگریس کے پنڈالوں میں ہو کا عالم طاری تھا، جب پولنگ کا نتیجہ نکلا تو پاکستان کے حق میں ۲۸ لاکھ ۹ ہزار اور ہندوستان کے حق میں صرف ۸۷۴ ووٹ پڑے۔

قیام پاکستان کے بعد پیر صاحب اس نوزائیدہ مملکت کی فلاح و بہبود کے لئے ہمہ تن مصروف رہے، حق گوئی و بیباکی ان کا شیوہ رہا، بدیں سبب کئی بار قید و بند کی صعوبتوں سے نبرد آزما رہے، ۲۳ صفر المظفر ۱۳۹۸ھ/ ۲ فروری ۱۹۷۸ء بروز پیر اڑھائی بجے علی الصبح ملتان میں دل کا دورہ پڑنے سے آپ کی رحلت ہوئی، جسدِ مبارک کو خانقاہ زکوڑی شریف میں لا کر سپردِ خاک کیا گیا۔ (ملخصاً از ماہنامہ ضیائے حرم، لاہور، اگست ۱۹۹۷ء/ ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ، جلد نمبر ۲۷، شمارہ ۱۰، ص ۴۵۔۵۰)

۴؎ مولانا عبدالستار خان نیازی: آپ ۲۲ ذی قعدہ ۱۳۳۳ھ/ یکم اکتوبر ۱۹۱۵ء کو اٹک پنیالہ تحصیل عیسیٰ خیل ضلع میانوالی کے ایک ممتاز خاندان میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں میں، پھر عیسیٰ خیل میں حاصل کی، میٹرک کے بعد ڈاکٹر اقبال کے قائم کردہ اشاعت اسلام کالج میں ۱۹۳۳ء میں داخل ہوئے، ۱۹۳۵ء میں اسی کالج سے ماہر تبلیغ کورس میں اولین پوزیشن حاصل کر کے ڈاکٹر اقبال کے دستِ مبارک سے سند حاصل کی، ۱۹۳۶ء میں اسی کالج میں تھرڈ ائیر میں داخلہ لیا، اسی سال ''دی پنجاب مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن'' کی بنیاد رکھی، ۱۹۳۸ء میں بی اے کے امتحان میں کامیاب ہوئے، پھر ۱۹۳۸ء تا ۱۹۴۰ء کے لئے مسلم لیگ ضلع میانوالی کے کنوینز وصدر منتخب ہوئے، ۱۹۳۸ء میں ایم اے عربی میں داخلہ لیا، اکتوبر ۱۹۳۹ء کو دہلی میں محمد علی جناح سے پہلی ملاقات ہوئی، ''قراردادِ پاکستان'' ۱۹۴۰ء کو لاہور کے جس اجتماع میں پیش کی گئی اس میں اسٹیج پر اہلسنّت کے دیگر عمائدین کے ساتھ آپ بھی موجود تھے، ۱۹۴۱ء میں بانی پاکستان کی زیرِ صدارت میں ''پاکستان کانفرنس'' میں خطاب کیا، ۱۹۴۱ء میں بانی پاکستان کے مخالفت اخبارات کے خلاف بھرپور احتجاج کیا اور لاہور میں اخبار سوزی کے ناقابل فراموش مناظر پیش کئے، ۱۴۹۲ھ میں ضلع مسلم لیگ میانوالی کے دوبارہ صدر منتخب ہوئے، ۱۹۴۳ء میں انجمن نعمانیہ ہند لاہور کے ڈپٹی جنرل سیکریٹری بنائے گئے۔ ۲۸ تا ۳۰ اپریل ۱۹۴۴ء کو پنجاب مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس میں بانی پاکستان کی موجودگی میں علامہ عبدالحامد بدایونی اور آپ نے تقریریں کیں، ۱۹۴۵ء میں مولانا نیازی نے معروف صحافی اور رُکن مسلم لیگ میاں محمد شفیع کے ساتھ مل کر ''پاکستان کیا ہے اور کیسے بنے گا'' کے عنوان سے ایک کتاب لکھی، ۱۹۴۵ء کو جب کہ آپ ضلع مسلم لیگ میانوالی کے صدر، صوبائی مسلم لیگ کے سیکریٹری تھے تو آپ کے حریفوں نے ایک سازش کے تحت گرفتار کروادیا، ۹ تا ۱۱ جنوری ۱۹۴۶ء کو اسلامیہ کالج لاہور کے گراؤنڈ میں امیر ملت سید جماعت علی شاہ مُحدِّث علی پوری کی زیرِ صدارت ایک عظیم الشان کانفرنس ہوئی، جس کا مقصد پنجاب میں مسلم لیگ کے کام کو تیز تر کرنا تھا اور اگلے ماہ ہونے والے الیکشن میں مسلم لیگ کو بھاری اکثریت سے کامیاب کرانا تھا، اس کانفرنس میں اکابر اہلسنّت مولانا ابوالحسنات قادری (ف ۱۹۶۱ء)، مولانا عبدالحامد بدایونی (ف ۱۹۷۰ء)، شیخ القرآن علامہ عبدالغفور ہزاروی (ف ۱۹۷۰ء)، خواجہ قمر الدین سیالوی (ف ۱۹۸۱ء)، مخدوم محمد رضا شاہ گیلانی ملتانی (ف ۱۹۴۹ء)، خواجہ غلام محی الدین گولڑوی (ف ۱۹۷۴ء)، پیر صاحب مانکی شریف (ف ۱۹۶۰ء) اور مولانا جمال میاں فرنگی محلی کے علاوہ مولانا نیازی نے خطاب کیا، ۱۹۴۶ء کے الیکشن میں صوبائی سیٹ کے لئے مولانا نیازی کو بانی پاکستان کی ہدایت پر ٹکٹ دیا گیا اور آپ نے بھاری اکثریت سے کامیابی حاصل کی، ۱۹۴۷ء کو سول نافرمانی کی تحریک میں مولانا نیازی نے گرفتاری پیش کی، اس طرح جب ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان معرضِ وجود میں آگیا، اس کے بعد انگریز کے کاسہ لیس، سرمایہ دار کمیونسٹ ذہنیت رکھنے والوں نے ''نظریہ پاکستان'' کو الجھانے اور ملک میں فکری انتشار او ربے دینی پھیلانے کی سازشیں شروع کیں اور وہ جاگیردار اور رئیس جو قیام سے قبل اسلام، اسلام کا نعرہ لگاتے تھے، اسلام سے راہِ فرار اختیار کرنے لگے تو مولانا نیازی نے مسلم لیگ کے اندر ۱۹۴۸ء میں ایک اپوزیشن ''خلافتِ پاکستان گروپ'' کی اور گویا پاکستان کی پہلی اپوزیشن تھی۔ بہر حال مولانا نیازی نے قیام پاکستان سے قبل اسلام اور قیام پاکستان کے لئے گرانقدر خدمات سرانجام دیں اور قیام پاکستان کے بعد بھی گوشہ نشینی اختیار نہیں کی بلکہ دینِ اسلام اور ملک وقوم کی حمایت میں فعّال کردار ادا کرتے رہے خصوصاً ''تحریکِ ختم نبوت'' میں آپ کا مجاہدانہ اور سرفروشانہ کردار ناقابل فراموش ہے کہ جس میں آپ کو سزائے موت ہوئی جو بعد میں عمر قید میں تبدیل کر دی گئی۔ آخر تک آپ نے ملک میں

نظامِ مصطفیٰ کے نفاذ کی کوششیں جاری رکھیں بالآخر ۷ صفر المظفر ۱۴۲۲ھ/۲ مئی ۲۰۰۱ء بروز بدھ آپ نے نمازِ فجر ادا کی اس کے بعد ذکر و اذکار میں مشغول تھے کہ ۵:۵ پر حرکت قلب بند ہونے سے جان، جانِ آفریں کے سپرد کر دی ملخصاً۔ (ماخوذ از کتاب حیات، خدمات، تعلیمات مجاہدِ ملت مولانا عبدالستار خان نیازی)

۵؎ یہ اعداد و شمار شمس الاطباء حکیم محمد حسین بدر (علیگ) نے بیان کیا جو اس عدیم النظیر اجلاس میں شامل تھے، بحوالہ سات ستارے، ص ۸۳، مطبوعہ لاہور (پاکستان بنانے والے علماء و مشائخ، ص ۱۰۸) اور پروفیسر محمد اکرم رضا نے بیان کیا (ماہنامہ ضیائے حرم، اگست ۱۹۹۰ء، ص ۴۷)

۶؎ مخالفین پاکستان اس حقیقت کا برملا اعتراف کرتے ہیں کہ سُنّی اکابرین مسلم لیگ کے ہمنوا تھے، ان میں سے صرف دو بیانات درج ذیل ہیں:

۱۔ خان عبدالغفار خان جسے سرحدی گاندھی کہا جاتا تھا اس نے کہا: ”حکومت اور مسلم لیگ نے اور سرحد کے گدی نشین پیر اور پرہیز گار سب کو کوٹھڑیوں سے نکال کر الیکشن میں جھونک دیا تھا“۔ بحوالہ اقبال، قائد اعظم از رشید محمود راجا، ص ۱۲۳ (حکیم اہلسنّت اور تحریک پاکستان، ص ۸۴)

۲۔ مشہور کانگریسی مولوی دارالعلوم دیوبند کی بڑی شخصیت مخالفینِ پاکستان کے اول دستہ کے سالارِ اعظم مولوی حسین احمد دیوبندی کا اعتراف ”خود علماء کس حال میں ہوں گے، کیا آپ کی نظر سے یہ نہیں گزرا کہ اسی پنڈال میں (مسلم لیگ) کے اجلاس کے بعد علماء کا اجلاس ہوا، اور بھرچنڈی شریف کے پیر صاحب نے صدارت فرمائی، مولانا جمال صاحب، صاحبزادہ مولانا عبدالباری صاحب مرحوم فرنگی محل اور مولانا عبدالحامد بدایونی اور بہت سے حضرات ان دنوں ان تمام اجلاسوں میں شریک رہے، جب حالت اس درجے بدل گئی ہے کہ مسلم عوام، اربابِ طریقت، اربابِ شریعت سب کے سب اس سیلاب (مسلم لیگی مشن) کی نذر ہوتے ہوئے دین اور احکامِ دین سے برگشتہ ہونے جا رہے ہیں تو جمعیت (علماء ہند) کے مٹھی بھر افراد اپنی خستہ حالی کے ساتھ کیا کر سکیں گے“۔ بحوالہ مکتوبات شیخ الاسلام، جلد اول، مؤلفہ نجم الدین اصلاحی، مکتبہ دینیہ دیوبند، ص ۲۶۰ (حکیم اہلسنّت اور تحریک پاکستان، ص ۸۴)

ٹانڈوی سے دیوبندی، پھر دیوبندی سے مدنی کہلوانے والے حسین احمد کا یہ بیان اعترافِ حقیقت کے ساتھ ساتھ تعجب خیز ہے کہ بائیس ہزار سے زائد مشائخ و علماء تو قیامِ پاکستان کے لئے مسلم لیگ کی حمایت اور عملی سعی میں شریک ہونے کی وجہ سے دین اور احکامِ دین سے برگشتہ ہو گئے اور تم اور تمہارے ہم مسلک ہندوؤں کی حمایت کر کے، مسلمانوں کی مخالفت کر کے، انہیں انگریزوں کی غلامی سے نجات ملنے پر ہندوؤں کی غلام بنانے کی ناکام سعی کر کے، گاندھی کو منبرِ رسول پر بٹھا کے، گاندھی اور نہرو جیسے کافر کو اپنا مقتداء بنا کے، گاندھی، نہرو کے قصیدے گا کے، مسلمانوں کو گالیاں دے کے بھی دین اور احکامِ دین پر قائم رہیں۔

۷؎ موصوف ۱۹۵۰ء میں منسٹر آف اسٹیٹ حکومت پاکستان برائے تعلیم و آبادکاری ہوئے اور ۱۹۶۱ء تا ۱۹۷۱ء یونیورسٹی آف کراچی (پاکستان) کے وائس چانسلر رہے (حالات زندگی ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی، از خواجہ رضی حیدر، ص ۳۸۔۴۰)

۸؎ مولانا مودودی: ابوالحسان محمد رمضان قادری لکھتے ہیں: مودودی صاحب نے صرف یہ کہ پاکستان کے مخالف تھے بلکہ سرے سے آزادی کے ہی مخالف تھے، جس وقت ہندو کانگریس اور مسلم لیگ دونوں بڑی جماعتیں حصول آزادی کے لئے سرگرم عمل تھیں، اس وقت مودودی صاحب تحریکِ آزادی میں حصہ لینے کی بجائے تحریکِ آزادی کے خلاف سرگرم عمل تھے، اس وقت بھی موصوف یہ منطق بگھار رہے تھے کہ انگریزوں کو ملک سے نکال دینے کی کیا ضرورت ہے ذرا صبر سے کام لو، اپنی آزادی روک دو، تو ہم رفتہ رفتہ انگریزوں کو اپنی لٹریچر پڑھا کر اور انہیں سمجھا بجھا کر اسلام قبول کر لینے پر رضامند کر لیں گے...... درپردہ مودودی صاحب اس منطق کے ذریعے ملک پر انگریزی راج کو مدّتوں مسلّط رکھنے کی فکر میں تھے۔ (بحوالہ مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش: ۱۲۲/۳، ۱۲۳)

بہرحال اگر کوئی شخص اُن کے ارشادات سے ان کے مافی الضمیر کو سمجھنے سے قاصر ہو تو انہی کا مندرجہ ذیل فرمان دیکھ لے ”مسلمان ہونے کی حیثیت سے میرے نزدیک یہ امر بھی کوئی قدر و قیمت نہیں رکھتا کہ ہندوستان کو انگریزی امپیریلزم سے آزاد کر دیا جائے“۔ (کتاب مذکور، ص ۹۴)

اور اگر پھر بھی کسی قسم کا کوئی شک باقی رہ گیا ہو انہی کا تیسرا اعلان حاضر ہے: ”مسلم لیگ، احرار، خاکسار اور جمعیۃ العلماء اور آزاد کانفرنس سب کی سب اس وقت تمام کارروائیاں حرفِ باطل کی طرح محو کر دینے کے لائق ٹھہرتی ہیں، نہ ہم قومی اقلیت ہیں نہ آبادی کے فیصد تناسب پر ہمارے وزن کا انحصار ہے، نہ ہندوؤں سے ہمارا کوئی جھگڑا ہے نہ انگریزوں سے وطنیت کی بنیاد پر ہماری لڑائی ہے، نہ اقلیت کے تحفظ کی ہمیں ضرورت ہے، نہ اکثریت کی بنیاد پر ہمیں قومی حکومت مطلوب ہے“۔ (کتاب مذکور: ۱۱۰/۳)

بہر حال مودودی صاحب کی اس نرالی منطق کو قوم نے لائق توجہ نہ سمجھ کر تحریکِ آزادی کو تیز کر دیا، ملک کے گوشہ گوشہ سے مسلم لیگ زندہ آباد، قائداعظم زندہ باد اور لے کے رہیں گے پاکستان، بن کے رہے گا پاکستان کے نعرے گونجنے لگے تو آزادی کی راہ میں روڑے اٹکانے والے یہی مودودی صاحب اس بات پر جل بھن گئے کہ قوم نے محمد علی جناح کو قومی قیادت کا تاج پہنا کر اپنا قائداعظم کیوں بنا لیا، بس پھر کیا تھا فوراً پینترا بدل کر اپنی حکمت عملی کی تمام تر قوت کے ساتھ مسلم لیگ اور قائداعظم پر حملہ آور ہو گئے۔

اور جوشِ رقابت میں بے قابو ہو کر تحریکِ پاکستان اور قائدینِ تحریک کے خلاف ایسی تحریریں لکھنا شروع کر دیں، جو اسلامی اخلاق کو بڑی چیز ہے عام شرافت کے معیار سے بھی گری ہوئی تھیں، چند نمونے ملاحظہ فرمایئے:

۱۔ ’’افسوس کہ مسلم لیگ کے قائداعظم سے لے کر چھوٹے مقتدیوں تک ایک بھی ایسا نہیں جو اسلام ذہنیت اور اسلامی نظر و فکر رکھتا ہو اور معاملات کو اسلامی نقطۂ نظر سے دیکھتا ہو، یہ لوگ مسلمان کے معنی و مفہوم اور اس کی مخصوص حیثیت کو بالکل نہیں جانتے‘‘۔ (ترجمان القرآن، ۱۳۵۹ھ، ص۲۶، سیاسی کشمکش: ۳/۳۷)

۲۔ ’’جنت الحمقاء میں رہنے والے لوگ اپنے خوابوں میں کتنے ہی سبز باغ دیکھ رہے ہوں لیکن آزاد پاکستان (اگر فی الواقع وہ بنا بھی نہیں تو لازماً جمہوری اور لادینی اسٹیٹ کے نظریہ پر بنے گا‘‘۔ (ترجمان القرآن، فروری ۱۹۴۶ء، ص۱۵۴)

۳۔ ’’جب میں مسلم لیگ کی ریزولیشن (قرار دادِ پاکستان) کو دیکھتا ہوں تو میری روح بے اختیار ماتم کرنے لگتی ہے‘‘۔ (بحوالہ سیاسی کشمکش: ۳/۳۷) (انگریز اور پاکستان کے حامی اور مخالف علماء کا بیان، ص۲۷)

=

= ۴۔ اس نام نہاد مسلم حکومت (پاکستان) کے انتظار میں اپنا وقت یا اس کے قیام کی کوشش میں اپنی قوت ضائع کرنے کی حماقت آخر ہم کیوں کریں، جس کے متعلق ہمیں معلوم ہے کہ وہ ہمارے مقاصد کے لئے نہ صرف غیر مفید ہوگی بلکہ کچھ زیادہ ہی سدّ راہ ثابت ہوگی‘‘۔ (سیاسی کشمکش: ۳/۱۷۰)

۵۔ باقی رہا نظامِ حکومت وہ پاکستان میں بھی ویسا ہی ہوگا جیسا ہندوستان میں ہوگا...... مسلمانوں کی کافرانہ حکومت اسلامی نقطۂ نظر سے غیر مسلموں کی کافرانہ حکومت کے مقابلہ میں کچھ بھی قابل ترجیح نہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ قابلِ لعنت ہے‘‘۔ (کتاب مذکور، ص۱۳۱، حاشیہ)

۶۔ ’’مسلم لیگ کی حمایت میں اگر کوئی لفظ میں (مودودی) نے لکھا ہو تو اس کا حوالہ دیا جائے‘‘۔ (بحوالہ ترجمان القرآن، جولائی ۱۹۳۸ء) (انگریز اور پاکستان کے حامی و مخالف علماء کا بیان، ص۲۶) (مخالفین پاکستان، ص۳۲)

۷۔ ’’ہم کھلے بندوں اعتراف کرتے ہیں کہ تقسیم ملک کی جنگ میں ہم غیر متعلق رہے‘‘ (بحوالہ ترجمان القرآن، نومبر ۱۹۶۳ء) (انگریز اور پاکستان کے حامی و مخالف علماء کا بیان، ص۲۶۔۲۷)

۸۔ معمر لیگی رہنما سردار شوکت حیات نے کہا کہ ’’قائداعظم کے حکم پر میں اور راجہ غضنفر علی خان ۱۹۴۶ء میں جب قائداعظم کا پیغام لے کر مولانا مودودی کے پاس گئے اور کہا کہ آپ پاکستان کے لئے دعا بھی کریں تو مولانا نے کہا ’’آپ میرے پاس ’’ناپاکستان‘‘ کے لئے دعا کروانے آئے ہیں‘‘۔ (بحوالہ روزنامہ جنگ لاہور، ۱۷دسمبر ۱۹۸۴ء) (انگریز اور پاکستان کے حامی و مخالف علماء کا بیان، ص۲۷)

الغرض مودودی صاحب نے اسلامیانِ ہند کو مسلم لیگ۔ تحریک پاکستان اور قائداعظم سے متنفر کرنے کی خاطر اپنی تمام تر صلاحیتیں اور توانائیاں صرف کر دیں، اس سلسلہ میں بھی اُن کی ہفوات اس قدر ہیں کہ اگر انہیں جمع کیا جائے تو ایک مبسوط دفتر تیار ہو جائے...... تاہم اس وقت جب کہ حالات یکسر بدل چکے ہیں، جماعت اسلامی اور اس کے پیشوا مودودی صاحب اپنی حکمت عملی کے تحت مسلم عوام اور خصوصاً قوم کے نوجوان طلباء کا تعاون حاصل کرنے کی خاطر تحریکِ پاکستان اور نظریۂ پاکستان کا سہرا اپنے سر باندھنے کی کوشش کرنے لگے ہیں، چنانچہ میاں محمد طفیل صاحب اب دعویٰ کرتے ہیں کہ اس باب میں مودودی صاحب کی خدمات دوسرے تمام رہنماؤں کی خدمات پر بھاری ہیں، اور خواجہ رضی حیدر نے اس قسم کے بیان کے بارے میں پاکستان کے اہم رُکن اور ممتاز مؤرخ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی سے پوچھا تھا چنانچہ خواجہ صاحب لکھتے ہیں: ’’میاں طفیل (جماعت اسلامی کے اہم رُکن) کے ٹی وی انٹرویو کے بارے میں جس میں انہوں نے کہا تھا کہ مولانا مودودی نے تحریکِ پاکستان اور قائداعظم کی کبھی مخالفت نہیں کی، ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ میں تو مولانا مودودی سے بہت عرصہ سے واقف ہوں، میرے اور ان کے بہت اچھے تعلقات ہیں، اُن کی بہت سے چیزوں کی میں قدر کرتا ہوں لیکن یہ کہ انہوں نے پاکستان کی مخالفت نہیں کی، اس کے کچھ اسباب تھے، یہ خیال غلط ہے کہ مودودی صاحب نے تحریکِ پاکستان کی مخالفت نہیں کی، پاکستان کی تو انہوں نے کھل کر مخالفت کی تھی‘‘۔ (دو قومی نظریہ کے حامی علماء اور ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی، انٹرویو۔ ا، ص۲۵) یہاں تک کہ خود مودودی صاحب نے بھی چیلنج دے دیا ہے کہ کسی کی ہمت ہے تو ثابت کرے کہ میں نے کبھی تحریکِ پاکستان کی مخالفت کی ہے، اگرچہ اُن کی پاکستان دشمنی اظہر من الشمس ہے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کے

اس صریح جھوٹ کی قلعی کھولنے کے لئے جماعت اسلامی کی پاکستان دشمنی کے ثبوت میں ہائیکورٹ کا فیصلہ پیش خدمت کردیا جاتا ہے۔

واضح رہے عدالت عالیہ نے یہ فیصلہ ۱۹۵۴ء میں سنایا تھا، مگر جماعت اسلامی کو آج تک اس کے خلاف سپریم کورٹ میں اپیل دائر کرنے کی جرأت نہیں ہوسکتی ہے، عدالت عالیہ کا یہ بینچ چیف جسٹس محمد منیر، مسٹر جسٹس ایم آر کیانی پر مشتمل تھا، فاضل ججوں نے اپنے فیصلے میں لکھا تھا: ''جماعت ''مسلم لیگ'' کے تصوّرِ پاکستان کے علی الاعلان مخالف تھی اور جب پاکستان قائم ہوا ہے جس کو ''ناپاکستان'' کہہ کر یاد کیا جاتا ہے، یہ جماعت موجودہ نظام حکومت اور اس کے چلانے والوں کی مخالفت کررہی ہے، ہمارے سامنے جماعت کی جو تحریریں پیش کی گئی ہیں ان میں سے ایک بھی ایسی نہیں جس میں مطالبۂ پاکستان کی حمایت کا بعید سا اشارہ بھی موجود ہو، اس کے برعکس یہ تحریریں جن میں کئی مفروضے بھی شامل ہیں تمام کی تمام اس شکل کی مخالف ہیں جس میں پاکستان وجود میں آیا اور جس میں اب تک موجود ہے''۔ (رپورٹ تحقیقاتی عدالت، ص ۲۶۱)

اور اگر کوئی شخص یا جماعت کسی عدالت کے فیصلے سے مطمئن نہ ہو تو اس کے لئے راستہ یہ ہے کہ وہ اس عدالت کے فیصلے کے خلاف اس عدالت سے بڑی عدالت میں اپیل دائر کرے اور اپنے دفاع میں معقول دلائل وشواہد پیش کرکے انصاف طلب کرے، لیکن چونکہ مودودی صاحب اور اس کی جماعت کے اراکین بخوبی جانتے تھے کہ ان کے بارے میں ''ہائیکورٹ'' کا فیصلہ صحیح ہے، تحریکِ پاکستان میں انہوں نے واقعی کوئی حصہ نہیں لیا تھا، بلکہ انہوں نے پاکستان، بانیِ پاکستان قائداعظم محمد علی جناح اور ان کے ساتھی مسلم لیگیوں کی کھل کر مخالفت کی تھی، اس لئے ......طویل وقت گزر جانے جانے کے باوجود انہیں ''سپریم کورٹ'' میں اپیل دائر کرنے کی جرأت نہیں ہوسکی ملخصاً۔ (مکمل تاریخ وہابیہ، ص ۱۸۴ تا ۱۹۱)

۸۰؎ جو کل پاکستان کے مخالف تھے: حقیقت بھی یہی ہے کہ جو کل پاکستان کے مخالف تھے، آج دعویٰ کررہے ہیں کہ ہم اور ہمارے بزرگوں نے پاکستان بنایا ہے، جب کہ نہ وہ خود جدوجہد آزادی کا کبھی حصہ رہے اور اپنے جن بزرگوں کا وہ ذکر کرتے ہیں ان کی اکثریت تو ایسی ہے جو قیام پاکستان کی راہ میں روڑے اٹکانے کا کام کرتے رہے، اور پاکستان مخالف جماعتوں کا حصہ رہے جیسے مودودی صاحب جو بذات خود پاکستان کے مخالف تھے، اور انہوں نے تقریراً، تحریراً، قولاً، عملاً اس کی مخالفت کی، اور مولانا فضل الرحمٰن کے والد مفتی محمود صاحب جس جماعت کے اہم رکن تھے، وہ جماعت ''احرار'' کے نام سے معروف ہے اور اس جماعت کے لوگوں نے پاکستان اور پاکستان بنانے والوں، مسلم لیگ اور لیگ کے رہنماؤں کو جس قدر گالیاں بکیں، لکھیں، چھاپیں اس قدر گالیاں تو شاید ہندوؤں نے بھی نہ دی ہوں گی، اسی طرح خان عبدالغفار خان جو قیام پاکستان سے قبل ہی اپنی کانگریس نوازی اور گاندھی کی اطاعت شعاری کی وجہ سے ''سرحدی گاندھی'' کے نام جانے جاتے ہیں، اسی طرح ٹوانہ خاندان کے فرد فرید خضر حیات ٹوانہ کی اسلام و پاکستان دشمنی کسی سے چھپی نہیں، اور پھر سندھ میں عبیداللہ سندھی، مولانا تاج محمود امروٹی، مولوی صادق (کھڈہ، کراچی) وغیرہم عقائد وہابیہ رکھنے والے وہ لوگ تھے جو اسلام کے نام پر لوگوں کو کانگریس کا حامی بنانے میں دن رات کوشاں رہے اور اسی طرح سندھ کی معروف سیاسی شخصیت جی ایم سید صاحب جو شروع میں مسلم لیگ میں تھے، الیکشن میں ٹکٹ نہ ملنے پر مخالف ہوگئے اور مخالفت کو خوب نبھایا، آخر تک کبھی حمایت کا خیال بھی نہ آیا جیسا کہ معروف صحافی رشید احمد لاشاری مرحوم کی کتاب ''ادب کی آڑ میں'' اور حضرت پیر محمد ابراہیم جان سرہندی کی کتاب ''سندھ سونہاری'' میں موصوف کے اسلام و پاکستان دشمن کارنامے تفصیل کے ساتھ مذکور ہیں۔ اور وہ ۴۶۔ ۱۹۴۵ء کے انتخابات تھے کہ جس میں ''جی ایم سید (ف ۱۹۹۵ء) کی سیٹ پر گھمسان کا رَن پڑا، مولانا ابوالکلام آزاد (ف ۱۹۵۸ء) (کانگریسی) جی ایم کی پیٹھ ٹھونکنے کے لئے سندھ میں آئے، قائداعظم نے جی ایم کے مقابلے میں قاضی محمد اکبر کو مسلم لیگ کا ٹکٹ دیا اور وہ ہر قیمت پر اپنے اس امیدوار کی کامیابی کے خواہاں تھے، مسلم لیگ نے اس حلقہ پر خصوصی توجہ دی سندھ کے بڑے بڑے مشائخ اور علماء نے دن رات ایک کرکے اس حلقہ میں بہت سے جلسوں میں خطاب کیا، حضرت خواجہ محمد حسن جان سرہندی نے بھی اپنے عقیدت مندوں کے ساتھ مسلم لیگ کی کامیابی وکامرانی کے لئے بھرپور جدوجہد کی، نتیجتاً جی ایم بُری طرح ہار گئے'' ملخصاً (تحریک پاکستان اور مشائخ عظام، ص ۳۲)

اسی کا ذکر مشہور مؤرّخ ڈاکٹر قریشی نے اپنے کلمات میں فرمایا کہ ''سیاست دانوں کے دو گروہ تھے سواد اعظم قائداعظم کے ساتھ اور باقی لوگ کانگریسی تھے''۔ (دوقومی نظریہ کے حامی علماء اور ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی، ص ۳۱)

بہر حال پاکستان کی مذہبی وسیاسی جماعتوں میں سے بعض جماعتیں جن لوگوں کو پاکستان کا حامی بتاتی ہیں، اسلام کا شیدائی بتاتی ہیں ان میں سے اکثر ایسے ہیں جنہوں نے کبھی پاکستا کی حمایت نہ کی بلکہ مخالفت میں انہوں نے اپنی ساری قوتیں صرف کردیں، چنانچہ اسی حقیقت کو تحریکِ پاکستان کے ممتاز رُکن اور عالمی شہرت یافتہ مؤرّخ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی ایک انٹرویو میں ان لفظوں میں بیان کیا: ''دراصل ہم ماضی کی بجائے حال کو دیکھتے ہیں جو لوگ اس وقت کہتے ہیں ہم پاکستان کے حامی ہیں وہ خود سوچیں اور اپنی فکر کے تضاد پر غور کریں''۔ ''چٹان'' مولانا ابوالکلام آزاد کی تعریف میں صفحے کے صفحے سیاہ کررہا ہے، اُن میں سے بعض جماعتیں ایسے افراد کی وکالت کرتی ہیں جو مرتے دم تک پاکستان کے

حامی نہیں ہوئے، اس طرح حکومت کہتی کچھ ہے اور کرتی کچھ ہے۔ ان کے قول و فعل کے تضا کا کیا جائے"۔ (دو قومی نظریہ کے حامی علماء اور ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی، انٹرویو۔ ا، ص ۱۹) یہ لوگ آج دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم پاکستان کے حامی تھے اور حامی ہیں اگر یہ سچ ہے تو یہ لوگ آج تک اُن کو اپنے پیشوا اور رہنما کیوں قرار دے رہے ہیں جو تحریکِ پاکستان کے مخالف اور کانگریسی اور ہندوؤں کے حامی، مسلمانوں کے غدار اور انگریزوں کے یار تھے، یہی نہیں بلکہ اُن کی تعریف میں ہزاروں، لاکھوں صفحات سیاہ کر چکے ہیں اور کر رہے ہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ اپنے دعویٰ میں جھوٹے ہیں، محض عوام الناس کو دھوکہ دے رہے ہیں۔

۹؎ دو چار کے علاوہ باقی دیوبندی ہندوؤں میں مدغم ہو گئے: اسی حقیقت کو تحریکِ پاکستان کے ایک اہم رکن، محمد علی جناح کے قریبی ساتھی اور بین الاقوامی شہرت یافتہ مؤرّخ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی نے اپنے ایک انٹرویو میں بیان کیا، یاد رہے یہ انٹرویو روزنامہ "حریّت" کے سابق سب ایڈیٹر خواجہ رضی حیدر نے ۲۶ دسمبر ۱۹۷۸ء کو لیا تھا اور ۸ جنوری ۱۹۷۹ء کو یہ ہفت روزہ "اُفق" کراچی میں شائع ہوا، چنانچہ ڈاکٹر صاحب نے فرمایا: "دو چار علماء کے علاوہ دیوبندیوں کا باقی حصہ تو ہندوؤں میں بالکل مدغم ہو چکا تھا"۔ (دو قومی نظریہ کے حامی علماء اور ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی، انٹرویو۔ ا، ص ۲۰)

اور اسی انٹرویو میں ڈاکٹر صاحب نے مزید کہا کہ دیوبندی علماء میں شبیر احمد عثمانی پاکستان کی تحریک میں شامل تھے، جب کہ اہلسنّت کے بیشتر علماء نے تحریک پاکستان میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، ان میں مولانا عبدالحامد بدایونی، علامہ شاہ عبدالعلیم صدیقی، مولانا سید نعیم الدین مراد آبادی، سید محمد محدّث کچھوچھوی، پیر صاحب مانکی شریف، مولانا ابوالحسنات قادری وغیرہ پیش پیش تھے...... ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی نے ایک سوال کے جواب میں کہا: مولانا عبدالستار خان نیازی اور خواجہ قمر الدین سیالوی احراری ہرگز نہیں تھے، بلکہ انہوں نے تحریکِ پاکستان میں بہت کام کیا اور یہ حقیقت ہے جس کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ (دو قومی نظریہ کے حامی علماء اور ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی، انٹرویو۔ ا، ص ۳۰۔۳۱)

۸۱؎ پاکستان سُنّی علماء و مشائخ نے بنایا: پاکستان سُنّی علماء و مشائخ نے بنایا اس کے لئے ہر قسم کی قربانی دی، خود بھی اس جدوجہد میں شریک رہے اور اپنے متعلقین اور عوام المسلمین کو اس تحریک کا حامی بنانے میں بھرپور کردار ادا کیا، اس میں "آل انڈیا سُنّی کانفرنس" کا کردار نا قابل فراموش ہے، خصوصاً بنارس سُنّی کانفرنس کے اٹل فیصلے تا قیامت تاریخ کا ایک باب بن کر تاریخ کے اوراق کو زینت بخشتے رہیں گے، یہاں ہم بطور نمونہ علماء و مشائخ کے چند فرمودات ذکر کرتے ہیں:

(۱) اوائل دسمبر ۱۹۴۵ء میں پنجاب کے نامور صوفیاء کرام نے مسلم لیگ کی حمایت میں ایک اعلان جاری فرمایا جس میں مریدین کے علاوہ تمام مسلمانوں کو ہدایت اور تاکید کی گئی کہ وہ مسلم لیگ کی حمایت کریں، حضرت امیر ملّت (سید جماعت علی شاہ) نے اس موقع پر بھی یہی فرمایا کہ "جو مسلم لیگ میں شامل نہ ہو اور مر جائے تو ان کے مرید ایسے شخص کا جنازہ نہ پڑھیں"۔ (تحریک پاکستان اور مشائخ عظام، ص ۷۶۔۷۷)

امیر ملّت علیہ الرحمہ نے وائسرے ہند لارڈ ویول کو ایک تار ارسال کیا جس میں آپ نے فرمایا: "مسلم لیگ مسلمانانِ ہند کی واحد نمائندہ اور قائداعظم محمد علی جناح ان کے واحد لیڈر ہیں...... طول و عرض ہندوستان میں میرے لاکھوں مرید مسلم لیگ کے ساتھ ہیں"۔ بحوالہ ہفت روزہ سعادت لائل پور، مجریہ ۸ جولائی ۱۹۴۵ء، ص ۴ (تاریخ آل انڈیا سُنّی کانفرنس، ص ۲۷۶)

(۲) ۳ مئی ۱۹۴۶ء کو بادشاہی مسجد لاہور میں مرکزی انجمن نعمانیہ ہند لاہور میں "آل انڈیا سُنّی کانفرنس" کے ناظم نشر و اشاعت نے تقریر کرتے ہوئے فرمایا: "ہندوستان کے مسلمانوں کی تمام قربانیوں کا واحد حل قیام پاکستان میں مضمر ہے، پاکستان دس کروڑ مسلمانوں کی زندگی اور موت کا سوال بن چکا ہے، ہم آزادانہ زندگی بسر کرنے کے لئے یا تو پاکستان حاصل کر کے رہیں گے یا مٹ جائیں گے۔ دوٹوک فیصلہ کی گھڑی آن پہنچی ہے ہم پاکستان کی راہ میں ہر روڑے کو ہٹانے کا عزم بالجزم کر چکے ہیں۔ بحوالہ ہفت روزہ دبدبہ سکندری، رامپور، مجریہ ۱۰ مئی ۱۹۴۶ء، ص ۵ (تاریخ آل انڈیا سُنّی کانفرنس، ص ۱۴۲)

۱۱ راپریل ۱۹۴۶ء کو سُنّی کانفرنس سہسرام میں مولانا سید خیر الدین احمد نے ذکر کیا کہ وزارتی وفد کو قرارداد روانہ کی گئی ہے اور وہ قرارداد یہ ہے کہ "ہم لوگوں کو کانگریس پر اعتماد نہیں ہے اور ہم پاکستان == سے کم کوئی چیز قبول نہیں کریں گے"۔ بحوالہ ہفت روزہ دبدبہ سکندری، رامپور، مجریہ ۱۹ راپریل ۱۹۴۶ء، ص ۳ (تاریخ آل انڈیا سُنّی کانفرنس، ص ۱۳۱)

(۳) حضرت خواجہ معین الدین احمد فریدی سجادہ نشین آستانہ عالیہ حضرت فرید الدین مسعود گنج شکر نے ۵ محرم الحرام ۱۳۶۵ھ/ ۱۱ دسمبر ۱۹۴۵ء عرس شریف کی محفل میں آپ تمام محبین و متوسلین کا شکریہ ادا کیا جنہوں نے آپ کے ارشاد کے موافق مرکزی قومی اسمبلی میں ووٹ مسلم قوم کی واحد نمائندہ جماعت مسلم لیگ کے امیدواروں کو دیئے۔ آخر میں آپ نے فرمایا: "آئندہ صوبجاتی الیکشن میں سب حضرات اپنے پورے اثر سے کام لے کر مسلم لیگ ہی کے امیدوار کو کامیاب بنانے کی کوشش کریں"۔ (اخبار دبدبہ سکندری، رامپور، مجریہ ۳۱ دسمبر ۱۹۴۵ء، ص ۶)

(۴) سجادہ نشین درگاہ خواجہ نظام الدین اولیاء خواجہ حسن نظامی نے تحریکِ پاکستان میں مسلم لیگ کی بھرپور تائید و حمایت کی، ۱۹۴۵ء میں

آپ نے بحیثیت صدر اول ’’آل انڈیا چشتی پارٹی‘‘ اعلان کیا: ’’چشتیہ خاندان کے ماننے والے کروڑوں مسلمان مسلم لیگ کے ساتھ ہیں‘‘۔ (تحریک پاکستان اور مشائخ عظام، ص ۱۰۱)

(۵) پیر امین الحسنات آف مانکی شریف نے فرمایا: ’’اس وقت مسلمانوں کو باہمی اتحاد کی سخت ضرورت ہے، ہر مسلمان کو حصولِ پاکستان کے لئے پوری جدوجہد کرنی چاہئے، جہاں وہ عزت و آزادی سے رہ سکیں، حصولِ پاکستان کا اس سے بہتر کوئی ذریعہ نہیں ہوسکتا کہ ہر مسلمان مسلم لیگ میں شریک ہو کیونکہ مسلم لیگ ہی ایک ایسی جماعت ہے جو صرف اسلام اور مسلمانوں کی سربلندی اور آزادی کے لئے کوشاں ہے‘‘۔ بحوالہ ہفت روزہ احوال کراچی، ۳۔۱۹/ اگست ۱۹۹۲ء، ص ۳۳ (حکیم اہلسنّت اور تحریکِ پاکستان، ص ۸۲)

(۶) اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کے شاگرد حضرت مولانا سید محمد محدِّث کچھوچھوی نے آل انڈیا سُنّی کانفرنس بنارس میں فرمایا: ’’ہم سے مسلم لیگ کو اس کی امید رکھنی چاہئے کہ اس کا جو قدم سنیوں کے سمجھے ہوئے پاکستان کے حق میں ہوگا (یعنی اسلام اور قرآن کی آزاد حکومت) اور اس کے جس پیغام میں اسلام و مسلمین کا نفع ہوگا، آل انڈیا سُنّی کانفرنس کی تائید اس کو بے دریغ حاصل ہوگی اور دینی امور میں ہاتھ لگانے سے پہلے آل انڈیا سُنّی کانفرنس کی رہنمائی اس کو قبول کرنی ہوگی اور ضرور کرنی پڑے گی‘‘۔ اس کے بعد اجمیر شریف میں ہونے والے آل انڈیا سُنّی کانفرنس کے اجلاس ۱۹۴۶ء میں سید محمد محدِث کچھوچھوی نے فرمایا: ’’اب غفلت کے جرم سے باز آجاؤ، اُٹھ پڑو، کھڑے ہو جاؤ، چلے چلو، ایک منٹ بھی نہ رُکو، پاکستان بنالو تو جا کر دم لو، یہ کام اے سنیو! سُن لو کہ صرف تمہارا ہے‘‘۔

اس کے بعد فرمایا: ’’اگر ایک دم سارے سُنّی مسلم لیگ سے نکل جائیں تو کوئی مجھے بتا دے کہ مسلم لیگ کس کو کہا جائے گا، اس کا دفتر کہاں رہے گا اس کا جھنڈا سارے ملک میں کون اُٹھائے گا‘‘۔ (ماہنامہ ضیاء حرم لاہور، مجریہ اکتوبر ۱۹۸۹ء، ص ۱۲۵)

(۷) خلیفۂ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا اور مسلم لیگ جبل پور کے صدر مفتی برہان الحق نے فرمایا: ’’اے حضرات اخوانِ ملّت، مسلمان بھائیو!......کل جس مسلم لیگ کے لئے کوئی جگہ نہ تھی، آج کانگریس اور برطانیہ دونوں کی نظریں اس کی پالیسی کی طرف لگی ہوئی ہے، اس لئے اب جس قدر جلد ممکن ہو ۱۹۴۰ء کے لئے زیادہ ممبر بن جائیں، جن محلوں، دیہاتوں، تحصیلوں میں مسلم لیگ قائم نہ ہو وہاں قائم کرکے اپنے ضلع سے الحاق کیجئے اور جلد بنا دیجئے کہ آپ اسلام کے لئے سینہ سپر ہونے اور اپنے محترم صدر قائداعظم مسٹر جناح کے ارشاد کی تعمیل پر ہر وقت تیار رہیں‘‘۔ بحوالہ تحریک پاکستان کی ایک اہم دستاویز از مفتی محمد برہان الحق جبل پوری، مطبوعہ: مکتبہ رضویہ، لاہور ۱۹۸۶ء (حکیم اہلسنّت اور تحریک پاکستان، ص ۸۳)

(۸) استاد العلماء مولانا یار محمد بندیالوی نے فرمایا: ’’ایک طرف اسلام کا جھنڈا ہے دوسری طرف کفر کا، چونکہ مسلم لیگ مسلمانوں کی جماعت ہے اس لئے اس سے کٹنا اسلام سے کٹنا ہے‘‘۔ (باغی ہندوستان (ضمیمہ)، ص ۳۴۶)

(۹) شیخ القرآن مولانا عبدالغفور ہزاروی نے فرمایا: ’’علماء احناف کا متفقہ فیصلہ ہے کہ مسلمانوں کو مسلم لیگ میں شامل ہونا چاہئے‘‘۔ بحوالہ اقبال، قائداعظم اور پاکستان، ص ۱۳۰ (حکیم اہلسنّت اور تحریک پاکستان، ص ۸۳)

(۱۰) شیخ طریقت پیر فضل شاہ نے فرمایا: ’’مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ مسلم لیگ کے جھنڈے تلے جمع ہو جائیں کیونکہ وہی ان کو نجات دلا سکتی ہے‘‘۔ بحوالہ قائداعظم اور ان کا عہد، ص ۲۴۰ (حکیم اہلسنّت اور تحریک پاکستان، ص ۸۳)

(۱۱) گل محمد فیضی نقل کرتے ہیں کہ ’’۲۷ نومبر ۱۹۴۵ء کو مسلم لیگ کی انتخابی مہم کے دوران حضرت پیر جلال پوری نے فرمایا: ’’نہ صرف اپنے حلقہ نیابت میں اس امیدوار ہی کو ووٹ دینے چاہئیں جسے مسلم لیگ نے ٹکٹ دے کر کھڑا کیا ہو بلکہ اپنے حلقہ اثر میں اسے کامیاب بنانے کے لئے اپنی تمام کوششیں وقف کردیں، امسال قومی تعلقات، راشتہ داریوں اور دھڑہ بندیوں کے قصے سامنے نہیں آنے چاہئیں‘‘۔ (ماہنامہ ضیائے حرم لاہور، مجریہ اکتوبر ۱۹۸۹ء، تحریک پاکستان اور علماء و مشائخ اہلسنّت، ص ۱۲۴)

(۱۲) حکیم محمد موسیٰ امرتسری فرماتے ہیں کہ ’’حضرت میاں (علی محمد خان چشتی) صاحب قبلہ خاموشی سے کام کرنے کے عادی تھے، اخبارات میں بیان چھپوانے کو ناپسند فرماتے، لہٰذا تحریک پاکستان میں اپنے نمائندوں کے ذریعے اپنے مریدوں کو پاکستان کی مکمل حمایت کے پیغامات بھیجتے رہتے‘‘۔ (حکیم اہلسنّت اور تحریک پاکستان، ص ۷۲۔۷۳)

(۱۳) حکیم اہلسنّت حکیم محمد موسیٰ امرتسری فرماتے ہیں: ’’مولانا محمد بخش مسلم نے لاہور میں بیٹھ کر پاکستان کے لئے بہت کام کیا ہمارے امرتسر کے نوجوان لاہور میں مسلم صاحب کے پیچھے جمعہ پڑھنے خصوصی طور پر آتے تھے، مسلم صاحب جمعہ کے خطاب میں قیام پاکستان کے لئے مدلّل دلائل دیا کرتے تھے، انہوں نے عام دیہاتیوں کو مسلم لیگ کا حامی بنانے کے لئے بڑی سادہ سی بات کہی کہ مسلم لیگ نہیں بلکہ کفر و اسلام میں ’لیک‘ ہے (پنجابی زبان میں لیکن خط کو کہتے ہیں) تو ایک عام دیہاتی کی سمجھ میں مسلم لیگ کا منشور واضح ہو جاتا‘‘۔ بحوالہ ماہنامہ ساحل، کراچی، مارچ ۱۹۹۳ء (حکیم اہلسنّت اور تحریک پاکستان، ص ۷۲)

مشائخ وعلماء اہلسنّت نے تقریراً، تحریراً ہر طرح اہل اسلام کو کانگریس کا ساتھ دینے سے روکا اور مسلم لیگ کی حمایت کے لئے آمادہ کیا حتیٰ کہ فتاویٰ کے ذریعے بھی چنانچہ مفتی عبدالمتین سے کیئے گئے دو سوالات اور ان کے جوابات اور امیر ملّت کا فتویٰ ملاحظہ فرمائیں:

(۱۴) سوال: ہمارے یہاں کانگریس کا زیادہ زور ہے، یہاں پر کانگریس کی طرف سے بڑے بڑے لوگ آتے ہیں وعظ وتقریر کرتے ہیں تقریر ختم ہونے کے بعد عام لوگوں سے...... کا نعرہ لگواتے ہیں، ایسی محفل میں ہم مسلمان شریک ہوسکتے ہیں یا نہیں؟ جواب: کانگریسی مسلمان ہندوؤں سے ملے ہوئے ہیں اور ہندو سے وظیفہ پاتے ہیں، عام مسلمانوں کو ان کے جلسے میں شریک نہ ہونا چاہئے چونکہ فاسد خیالات پیدا ہوتے ہیں، خاص لوگ یہ پتا لگا کر شریک ہوسکتے ہیں کہ کانگریس کیا تقریر کرتے ہیں اور کیا پاس کرتے ہیں تاکہ اس کا جواب دے سکیں۔

(۱۵) عارف کامل پیر سید مہر شاہ صاحب علیہ الرحمہ آف گولڑہ شریف سے کسی نے کانگریس میں شامل ہونے کے متعلق فتویٰ پوچھا، اس کا جواب جو آپ نے تحریر فرمایا وہ ''فتاویٰ مہریہ'' میں درج ہے

سوال: کیا مسلمان کو کانگریس میں شامل ہونا چاہئے یا نہ؟

جواب: مکرمی شاہ صاحب...... میری رائے میں یہ شمولیت اسلام کے برخلاف اور ناجائز ہے۔ (مخالفین پاکستان، ص ۲۷)

مفتی عبدالمتین کا مسلم لیگ کے بارے میں فتویٰ درج ذیل ہے:

(۱۶) سوال: مسلم لیگ کا ساتھ دینا چاہئے کہ نہیں؟

جواب: مسلمانوں کو مسلم لیگ کا ساتھ دینا ازبس ضروری ہے۔ (ہفت روزہ الفقیہ امرتسر، مجریہ ۷ تا ۱۴ جون ۱۹۴۷ء، ص ۱۰)

(۱۷) امیر ملّت سید جماعت علی شاہ کا فتویٰ ۱۱ دسمبر ۱۹۴۵ء کو روزنامہ ''وحدت'' دہلی میں حضرت امیر ملّت قدس سرہٗ نے اپنے فتوے کا اعادہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ''میں فتویٰ دے چکا ہوں کہ جو مسلمان مسلم لیگ کو ووٹ نہ دے اس کا جنازہ نہ پڑھو اور مسلمانوں کی قبروں میں دفن نہ کرو...... فقیر اپنے فتوے کا پھر اعادہ کرتا ہے کہ جو مسلم لیگ کا مخالف ہے خواہ کوئی ہو اگر وہ مرجائے تو اس کا جنازہ نہ پڑھا جائے، نہ مسلمانوں کی قبروں میں دفن کیا جائے''۔

۸۲؎ ایک غیر جانبدار مؤرّخ ڈاکٹر قریشی نے بھی اس کا اقرار کیا کہ ''جب کہ اہلسنّت کے بیشتر علماء نے تحریک پاکستان میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ان میں مولانا عبدالحامد بدایونی اور شاہ عبدالعلیم صدیقی، مولانا سید نعیم الدین مرادآبادی، سید محمد محدِّث کچھوچھوی، پیر صاحب مانکی، مولانا ابوالحسنات قادری پیش پیش تھے''۔ (دوقومی نظریہ کے حامی علماء اور ڈاکٹر قریشی، ص ۳۰)

۸۳؎ اس کے علاوہ ہمیں تاریخ سے یہ ثبوت بھی ملتا ہے کہ محمد علی جناح نے مولانا عبدالعلیم صدیقی کے بڑے بھائی کی اقتداء میں بھی نماز ادا کی، چنانچہ گل محمد فیضی لکھتے ہیں: ''۱۹۴۵ء میں مسلم لیگ کے اجلاس پٹنہ میں یہ فیصلہ کیا گیا تھا کہ الگ اسلامی ملک کا آئین اسلامی ہوگا اور جب اجلاس نماز کے لئے ملتوی ہوا تو حضرت قائد اعظم نے کُل ارکان مسلم لیگ کی معیت میں مقامی مسجد کے خطیب (جو سُنّی بریلوی تھے) کی اقتداء میں نماز ظہر ادا کی، اسی طرح بمبئی میں عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی نمازیں مولانا نذیر احمد خجندی کی اقتداء میں ادا کیں، مولانا خجندی مرحوم مولانا عبدالعلیم میرٹھی کے بڑے بھائی تھے اور دونوں بھائی اعلیٰ حضرت احمد رضا خان کے مریدانِ باصفا تھے''۔ (ماہنامہ ضیائے حرم، لاہور، تحریک پاکستان اور علماء ومشائخ اہلسنّت، مجریہ اگست ۱۹۸۹ء، ص ۱۲۴)

۸۴؎ اسی بات کا جواب دیتے ہوئے پروفیسر رحیم بخش شاہین لکھتے ہیں: عام طور پر کہا جاتا ہے کہ تحریکِ پاکستان کے محرکات میں معاشی وسیاسی مسائل کو اہمیت حصل تھی اس میں کوئی شک نہیں معاشی میدان میں ہندو اور مسلمان اقوام میں بُعد المشرقین تھا، ہندو اپنی ساہوکاری اور کاروباری ذہنیت کی بناء پر ملک کی تجارت پر چھائے ہوئے تھے۔ تعلیمی لحاظ سے ترقی یافتہ ہونے کی بناء پر سرکاری ملازمتوں پر بھی اُن کا ہی غلبہ تھا اور یہ لوگ بڑے منظم طریقے سے مسلمانوں کو معاشی لحاظ تباہ کرنا چاہتے تھے، اس کا صرف ایک ہی جواب ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ اسلام کے وجود کو ہندوستان کی سرزمین پر برداشت کرنے کا حوصلہ نہیں رکھتے تھے۔

اسلام کے سیدھے سادھے، عام فہم اور قابلِ عمل اصول، ہندومت کے گورکھ دھندے اور ازکاررفتہ سماج کے لئے ایک مستقل چیلنج کی حیثیت رکھتے تھے، گویا معاشی اور سیاسی اختلافات دراصل سطحی ہیں جو مذہبی اور نظریاتی اختلافات کا نتیجہ ہیں، ہندوؤں کا مقصد مسلمانوں کو محض معاشی اور سیاسی لحاظ سے مفلوج کرنا نہیں تھا بلکہ مذہبی لحاظ سے ان کے وجود کو ہمیشہ کے لئے تحلیل کرنا تھا اور وہی عمل دہرانا تھا جس کی مدد سے ہندوؤں نے مسلمانوں کی آمد سے قبل یہاں آنے والے غیر ملکی حملہ آوروں اور مقامی آبادی کو اپنے اندر جذب کرلیا تھا، لیکن اس مرتبہ ہندوؤں کو ایسے نظام زندگی سے پالا پڑا جو بہت سخت جان ہے جو دنیا کے تمام نظاموں سے بالاتر ہے جو ہر اعتبار سے کامل ہے، جو دورِ جدید کے تمام حقائق ومسائل پر پوری جامعیت سے حاوی ہے، جو دوسرے مذہبوں اور تہذیبوں کو اپنے اور جذب تو کرسکتا ہے لیکن اُن کے اندر جذب ہوکر اپنے علیحدہ وجود سے دستبردار نہیں ہوسکتا (یہی وجہ ہے کہ پاکستان بننے کے بعد بھارت نے اپنی مسلمان باشندوں کو جذب کرنے کی کوشش کی وہ

حسب سابق ناکامی سے دوچار ہوئی)۔ حقیقت یہ ہے کہ مسلمان جس مذہب کے پیروکار ہیں، وہ کوئی قومی، وطنی یا نسلی مذہب نہیں ہے بلکہ مجلّہ مادی امتیازات سے ماوریٰ تمام نوعِ انسان کی ہدایت و رہنمائی کا داعی ہے، اس لئے جو شخص اس کا حلقہ بگوش ہو جاتا ہے خواہ وہ کسی خطۂ ارض سے تعلق رکھتا ہو، کوئی زبان بولتا ہو، کسی نسل سے ہو وہ ایک نئی قوم یا ملّت کا فرد بن جاتا ہے، جو اللہ کی حاکمیت اور انسانی اخوت و مساوات پر یقین رکھتی ہے، جب برصغیر میں پہلا مسلمان وارد ہوا تو اپنے ساتھ یہی انقلابی اصول لے کر آیا اور جب پہلا ہندو مسلمان ہوا تو اس کی ذات میں یہی انقلاب برپا ہوا۔ ایک آزاد مسلم مملکت کے قیام کا مطالبہ، اجلاس لاہور میں قرارداد کی منظوری اور پاکستان کے حصول کی جدوجہد اس انقلاب کا منطقی نتیجہ ہے۔ (ماہنامہ ضیاء حرم، لاہور، قیام پاکستان کی جدوجہد، مجریہ ذوالحجہ ۱۴۰۷ھ/ اگست ۱۹۸۷ء، ص ۶۶۔۶۷)

۸۵ **محمد علی جناح سیکولرازم کی حامی نہ تھے:** قائداعظم کے معتمد ساتھی اور مشہور مؤرّخ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی نے بھی اس کی تردید کی ہے چنانچہ ہفت روزہ ''افق'' کے سابق ایڈیٹر حاجی احمد مجاہد کو ڈاکٹر صاحب نے ایک انٹرویو دیا ہفت روزہ ''افق'' کی اشاعت ۱۹ مارچ ۱۹۷۸ء میں شائع ہوا، اس میں ہے کہ ''ڈاکٹر صاحب نے ایک سوال کے جواب میں کہا کہ قائداعظم کبھی سیکولرازم کے حامی نہیں رہے، اور قیام پاکستان کے بعد اُن کی جس تقریر کا حوالہ دیا جاتا ہے وہ دستور ساز اسمبلی میں ہوئی اور میں خود اس میں موجود تھا، انہوں نے کہا تھا کہ آزاد ملک کے شہری کی حیثیت سے آپ اس ملک میں موجود ہیں، تو شہری کی حیثیت سے ہر ایک کے حقوق برابر ہیں، چاہے آپ کسی بھی مذہب کے پیروکار کیوں نہ ہوں اور اس بنیاد پر دستور میں کوئی مشق ایسی نہیں ہوگی جس سے کسی کو نقصان پہنچے''۔ (دوقومی نظریہ کے حامی علماء اور ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی، انٹرویو۔۲، ص ۲۹)

۸۶ **محمد علی جناح اور نفاذِ شریعت کا عزم:** ۱۔ اس کے بارے میں ہم سب سے پہلے =س شخص کی گواہی پیش کرتے ہیں قائداعظم کے معتمد ساتھی اور عالمی شہرت رکھنے والا مؤرّخ ہے یعنی ڈاکٹر اشیاق حسین قریشی کی شہادت اور وہ یہ ہے کہ ''انہوں نے کہا قائداعظم ہمیشہ اسلام کا نام لیتے تھے اور وہ کہتے تھے کہ پاکستان ہم اس لئے چاہتے ہیں کہ اس کو ہم اسلام کی تجربہ گاہ بنائیں گے اور یہ ثابت کرسکیں گے کہ اسلام کے اصول اس بیسویں صدی میں بھی ایسے قابل عمل ہیں جیسے ابتداء میں تھے''۔ (دوقومی نظریہ کے حامی علماء اور ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی، انٹرویو۔۲، ص ۲۹)

۲۔ اور پھر ۲۴ نومبر ۱۹۴۵ء کو محمد علی جناح نے خانقاہ مانکی شریف (صوبہ سرحد) میں علماء کرام اور مشائخ عظام کے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: ''آپ نے سپاس نامے میں مجھ سے پوچھا ہے کہ پاکستان کا قانون کونسا ہوگا؟ مجھے آپ کے اس سوال پر سخت افسوس ہے (یاد رہے کہ یہ سپاس نامہ میاں عبدالکریم نے علماء و مشائخ اہلسنّت کی جانب سے پیش کیا تھا) کہ آپ مجھ سے دریافت کر رہے ہیں کہ پاکستان میں کونسا قانون ہوگا، میں آپ کو بتا دینا چاہتا ہوں کہ مسلمان کا ایک خدا، ایک رسول اور ایک قرآن ہے، یہی قرآن مسلمان کا قانون ہے جو آج سے تیرہ سو سال پہلے حضرت محمد ﷺ کی وساطت سے ہمیں ملا ہے، یہی قرآن ہمارا قانون ہے اور بس (نعرۂ تکبیر اللہ اکبر، پاکستان زندہ باد) (پیر صاحب مانکی شریف اور ان کی سیاسی جدوجہد، ص ۳۲) (قائداعظم اور سرحد، ص ۱۴۵)

۳۔ پاکستان بننے کے بعد بانی پاکستان کے ایک قول کو بھی ملاحظہ فرمائیے، چنانچہ محمد صادق قصوری لکھتے ہیں: ''۱۹۴۸ء میں...... اسی دوران میاں افتخارالدین (ف ۱۹۶۲ء) نے اسلامی شوشلزم کا نعرہ لگایا تو آپ نے (یعنی مولانا عبدالستار نیازی نے) ڈٹ کر مقابلہ کیا حتی کہ حضرت قائد اعظم ...... واشگاف الفاظ میں اعلان فرمایا کہ ''کمیونسٹ، ملک میں انتشار پیدا کر رہے ہیں، یاد رکھئے پاکستان میں اسلامی شریعت نافذ ہوگی''۔ (حیات خدمات تعلیمات مجاہد ملّت مولانا عبدالستار خان نیازی، ص ۱۰۴)

۸۷ حالانکہ ''۱۹۴۵ء میں مسلم لیگ کے اجلاس میں پٹنہ میں یہ فیصلہ کیا گیا تھا کہ الگ اسلامی ملک کا آئین اسلامی ہوگا''۔ (ماہنامہ ضیاء حرم، لاہور، مجریہ اگست ۱۹۸۹ء، ص ۱۲۶) اور بانی پاکستان نے متعدد بار اس ارادے و عزم کا اظہار بھی کیا تھا۔

اور پھر کثیر تعداد میں علماء و مشائخ اہلسنّت اور عوام اہلسنّت نے لیگ کے شانہ بشانہ کام بھی اسی لئے کیا تھا قربانیاں صرف اس لئے دی تھیں کہ ہمیں ایک ایسا وطن حاصل ہو جائے کہ جس میں قرآن و سنّت کا نظام ہو، اس جدوجہد میں شامل صرف علماء اہلسنّت کی تعداد بائیس ہزار (۲۲،۰۰۰) سے زیادہ تھی کہ جن کے ناموں کا ریکارڈ آل انڈیا سُنّی کانفرنس کے مرکزی دفتر مراد آباد میں موجود تھا جو تقسیم کے وقت نہ جانے کیسے ضائع ہو گیا یہ تعداد تو وہ ہے جن کے صرف نام محفوظ تھے، ان کے علاوہ نہ جانے کتنے علماء و مشائخ اہلسنّت ہوں گے جن کے نام اس میں درج نہ ہو سکے جو اس جدوجہد کا حصہ تھے۔

قارئین کرام اس سے یہ بھی سوچئے کہ دیوبند مسلک کے دو چار مولوی آگئے ان کی بنا پر یہ لوگ ڈھنڈورا پیٹتے ہیں کہ پاکستان ہم نے بنایا اور وہ جن کی اتنی بڑی تعداد تحریکِ پاکستان میں شامل تھی اُن کا نام تک نہیں لیا جاتا، یہ ظلم نہیں تو اور کیا ہے؟ ۲۲ یا ۲۳ جولائی ۲۰۰۷ء کو مولانا رفیع عثمانی نے اے آر وائی ون ورلڈ پر گفتگو کرتے ہوئے تحریکِ پاکستان کے حوالے سے ذکر کرتے ہوئے پاکستان بنانے میں صرف مسلم لیگ اور جمعیت علمائے اسلام کا نام لیا اور اُن میں بھی صرف مولانا شبیر احمد عثمانی، مولانا ظفر احمد انصاری اور اپنے والد مفتی شفیع دیوبندی کا نام لیا، بتائیے یہ ظلم ہے یا نہیں، یہ حق کو چھپانا ہے یا نہیں، یہ قوم کو گمراہ کرنا ہے یا نہیں، یہ تاریخی خیانت نہیں تو اور کیا ہے؟۔